2012: DOOMSDAY

21 دسمبر 2012ء

کائنات قیامت کی دہلیز پر؟

ایک ایسی کتاب جو آپ کی سوچ بدل دے

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے

In the Name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

بنیادی عقیدہ

- اللہ ہمارا رب ہے۔
- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔
- قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور ہمارا اکمل ضابطہ حیات اور بے عیب کلام ہے۔
- انسان لغزشوں اور خطاؤں کا پُتلہ ہے۔ اس حیثیت سے بہرحال یہ امکان رہتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے۔ دورانِ مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحتاً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقیدہ کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری مقصور کرتے ہوئے قلم زَد کر دیجئے!
- ہم اپنی عزت، مقام اور جھوٹی انا کے مقابلہ میں ایمان کو بہرصورت ترجیح دینا مقدم جانیں گے۔

دُعا گو
ناشران
شاہد حمید۔ گگن شاہد۔ امر شاہد

بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم
Ph: +92 (544) 614977 - www.bookcorner.com.pk
Mob: 0323-5777931 - Mob: 0321-5440882

December 21st

2012: DOOMSDAY

۲۱ دِسمبر ۲۰۱۲ء

کائنات قیامت کی دہلیز پر؟

ایک ایسی کتاب جو آپ کی سوچ بدل دے!

مصنف

صاحبزادہ محمد عبدالرشید

بُک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم

Ph: +92 (544) 614977 - www.bookcorner.com.pk
Mob: 0323-5777931 - Mob: 0321-5440882

اشاعت	:	جنوری 2010ء
نام کتاب	:	۲۱ دسمبر ۲۰۱۲ء: کائنات قیامت کی دہلیز پر؟
مصنف	:	صاحبزادہ محمد عبدالرشید
اہتمام	:	شاہد حمید۔ گگن شاہد
نظر ثانی	:	سیّد وقاص حیدر۔ انجم سلطان شہباز
پروف ریڈنگ	:	زیر اہتمام بک کارنر
پکچرز ایڈیٹنگ	:	امر شاہد
سرورق	:	ابو امامہ
مطبع	:	زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
ناشر	:	بک کارنر شوروم، جہلم

''بک کارنر شوروم، جہلم'' کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نشانہ بنانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے نظریات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ ربّ العزت کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد بندی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو براہ کرم مطلع فرما دیں تا کہ آ [illegible] جزاك الله خيراً كثيراً۔ (ناشر)

21 دسمبر 2012ء کی تاریخ پر بطور ابتداء قیامت اصرار کرنے کی بے شمار وجوہات ہیں۔ اس امر کی وکالت کے لیے ایسے بہت سارے قرائن موجود ہیں، جن کو ہم سائنسی زبان میں ''ثبوت'' کہہ سکتے ہیں۔ یہ تمام ثبوت جن کو ہم اس کتاب میں پیش کریں گے اسی ایک خاص تاریخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قارئین آنے والے صفحات میں ان تمام معلومات سے آگاہ ہوں گے، جو 21 دسمبر 2012ء کو قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے قرائن کے متعلق ہیں۔ چونکہ جدید اسالیب تحقیق میں کثیر الجہتی تحقیق کو زیادہ قابل اعتماد مانا جاتا ہے، اس لیے ہم جونہی اس کسوٹی پر 21 دسمبر 2012ء کے بارے میں دستیاب تمام معلومات کا جائزہ لیتے ہیں تو خطرے کی سرخ گھنٹی زور زور سے بجتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔

''ان لوگوں کا حساب قریب آن پہنچا ہے اور (افسوس) وہ غفلت میں پڑے منہ پھیر رہے ہیں۔''

(سورۃ الانبیاء، ۲۱:۱)

مادیت پرستی پر مبنی مغربی فلسفۂ زندگی نے انسان کو کئی صدیاں پہلے ہی مذہب سے مکمل طور پر بیزار کر دیا تھا۔ انسان زندگی اور اس کے وجود کے معانی و مدعا کو سمجھنا تو درکنار، ان کے بارے میں سوچنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ اچانک مغربی اذہان میں ایک سنسنی سی سرایت کر گئی۔ 1980ء کی دہائی میں اُٹھنے والی ایک پراسرار آواز روز بروز بلند تر ہوتی گئی۔ یہ آواز بیک وقت دو سمتوں سے آ رہی تھی۔ ایک طرف سے سائنسدان کہہ رہے تھے کہ کرۂ ارض پر انسانی وجود محض چند سالوں کا مہمان ہے۔ اور دوسری طرف زمانہ قدیم کی کہانتوں اور تہذیبوں کے اندر صدیوں سے مقید آوازیں چیخ چیخ کر خبردار کرنے لگیں کہ اکیسویں صدی کا آغاز درحقیقت حیاتِ انسانی کا اختتام ہے۔ اس وقت جہاں ان دونوں تنبیہات نے سنسنی پھیلا رکھی ہے، وہیں مذہبی پیشگوئیوں اور وعیدوں نے بھی یہ خبر دے کر جدید انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیے ہیں کہ آج کا انسان آخری زمانے میں جی رہا ہے اور اس عہد کے خاتمہ پر پھر سے وہی کیفیت چھا جائے گی، جسے ہم "عالم عدم" کے نام سے جانتے ہیں۔

"زمین پر جو کچھ ہے، سب فنا ہونے والا ہے۔ صرف تیرے ربّ کی ذات، جو عظمت اور عزت والی ہے، باقی رہ جائے گی۔"

(سورۃ الرحمن، ۲۶-۲۷:۵۵)

"اور وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیجئے کہ کچھ عجب نہیں کہ (قیامت کی گھڑی) قریب ہی آن پہنچی ہو۔"

(سورۂ بنی اسرائیل، ۱۷:۵۱)

''چنانچہ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے،
یقیناً اس کی نشانیاں آ چکی ہیں، تو جب قیامت ان کے پاس آ پہنچے گی تو ان کے لیے
کہاں ہوگا نصیحت حاصل کرنا؟''
(سورۃ محمد ۴۷، آیت ۱۸)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے (یہ حال ہوگا) کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی، اور آپ لوگوں کو نشے میں (مدہوش) دیکھیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب (بڑا ہی) شدید ہوگا۔"

(سورۃ الحج ۲۲، آیت ۱-۲)

"اُس دن ہم سماوی کائنات کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے خط کو لپیٹ دیا جاتا ہے، جس طرح ہم نے کائنات کو پہلی بار پیدا کیا تھا، ہم اُسی عملِ تخلیق کو دہرائیں گے۔ یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ (اور) ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں۔"
(الانبیاء، ۲۱:۱۰۴)

’’جب واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوگی، اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ پست کرنے والی، بلند کرنے والی، جب زمین نہایت بری طرح ہلائی جائے گی اور پہاڑ (پھوڑ کر) ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔‘‘

(سورۃ الواقعہ ۵۶، آیت ۱ تا ۵)

"وہ (انسان) پوچھتا ہے یومِ قیامت کب ہے؟ چنانچہ جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی اور چاند گہنا جائے گا اور جمع کر دیئے جائیں گے سورج اور چاند"

(سورۃ القیامۃ ۷۵، آیت ۶ تا ۹)

"اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم یومِ قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اسے شدید
عذاب نہ دیں، یہ کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔"
(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۵۸)

"اور جب ان پر (ہمارا) قول واقع (ہونے کو) ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک
جانور نکالیں گے، وہ ان سے کلام کرے گا کہ بے شک یہ لوگ ہماری آیات پر یقین
نہیں رکھتے تھے۔"
(سورۃ النمل ۲۷، آیت ۸۲)
marfat.com

"اور زمین اور پہاڑوں کو اکٹھے اٹھا کر ایک ہی بار پٹخ کر پاش پاش کر دیا جائے گا۔
پس اسی روز قیامت برپا ہو جائے گی۔"
(سورۃ الحاقہ ۶۹:۱۴)

''تو آپ اس دِن کا انتظار کیجئے جب آسمان صاف دھواں لائے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا (کہا جائے گا:) یہ ہے دردناک عذاب!''

(سورۃ الدخان ۴۴، آیت ۱۰-۱۱)

فہرست

پیش لفظ

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ہمیں اُس ہستی کی اُمت میں پیدا کیا جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ اور اُس کے فرشتے بھی اُن پر درود بھیجتے ہیں۔ ہم اہلِ ایمان بھی اُن کی خدمت میں ہدیہ درود و سلام پیش کرتے ہیں۔

معزز قارئین! اس کتاب کا مقصد کسی کی دل آزاری ہرگز نہیں، بلکہ دَورِ جدید کی تحقیقات کے نت نئے پہلو آپ کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ اندازِ تحقیق بالکل جدید اور سائنسی ہے۔ جن لوگوں کی رسائی دیگر الہامی مذاہب کی کتب اور انگریزی زبان میں دستیاب تحقیقی مواد تک نہیں ہے، میں نے اُن لوگوں کی خدمت میں جدید ترین تحقیقات کو آسان ترین پیرائے میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس کتاب میں بھرپور کوشش کی ہے کہ کتابت، حوالہ جات اور معلومات کی کوئی کمی نہ رہ گئی ہو۔ تاہم غلطی کا احتمال ہر انسانی کام میں باقی رہتا ہے۔ لہٰذا قارئین کی

خدمت میں استدعاء ہے کہ وہ اپنی آراء اور مشوروں سے نواز کر اس کتاب کو مفید اور بہتر بنانے میں ہماری راہنمائی کریں۔

اس کے علاوہ میں شکر گزار ہوں نہایت ہی محترم سید وقاص حیدر کا، جن کی راہنمائی کے بغیر شاید میں یہ کتاب مکمل نہ کر سکتا۔ اُنہوں نے مذاہب ِعالم کی کتب اور حوالہ جات کے لیے ضروری مواد کی فراہمی میں فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر موقع پر بھرپور معاونت کی۔ اس کے ساتھ ساتھ محترم حافظ امجد علی اور علامہ احمد رضا صاحب کا بھی تہ دل سے مشکور ہوں، جنہوں نے حدیث اور تاریخ کے حوالے سے ہر ممکن تعاون کیا۔ مزید برآں، محترم قمر عباس مصطفائی کا تذکرہ نہ کیا جانا شاید ناانصافی ہو کہ جن کی کمپوزنگ کے حوالے سے خدمات اور مفید مشورے میرے شامل حال رہے۔ جناب چوہدری ذیشان احسن گوندل (دلوآنہ) بھی شکریہ کے مستحق ہیں، کیونکہ وہ اس تحقیق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہر طرح کا تعاون فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں، میں محترم انجم سلطان شہباز اور محترم ڈاکٹر تنویر احمد کا بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے کتاب کو حتمی شکل دینے میں ہماری راہنمائی فرمائی۔

اس ادارے کے تعارف کے بغیر پیش لفظ کا یہ مضمون ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا، جس کے پلیٹ فارم سے یہ کتاب آپ کو پیش کی جارہی ہے۔

دورِ جدید میں صحیح اسلامی فکر کا احیاء، قرآنی تعلیمات کی آسان و جامع تشریح اور اِسلام کی حقیقی رُوح کا عالمگیر تعارف اِس ادارے کے نصب العین میں شامل ہے۔ ادارہ ''بک کارنر شورُوم، جہلم'' بیک وقت قرآنیات، علوم

حدیث، علوم فقہ، تقابلِ ادیان، ختم نبوت ﷺ اور مستقبل میں اِسلام کو درپیش چیلنجوں کے حل کے موضوعات پر تحقیق، تخریج، تدوین اور تصنیف و تالیف کا کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں سرانجام دے رہا ہے۔ بک کارنر اپنے تجدیدی کام کے ذریعے اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی ''علمی نشاۃ الثانیہ'' (Intellectual Renaissance) کے ظہور کا خواب جلد از جلد شرمندۂ تعبیر ہو، تا کہ اسلام ایک بار پھر بحیثیتِ ''نظام'' اور ''تہذیب'' اقوام عالم کو فکری، روحانی، معاشی اور سماجی رہنمائی فراہم کر سکے۔

معزز قارئین سے التماس ہے کہ وہ بک کارنر کی تحقیقی خدمات کے حوالے سے اپنی مفید آراء اور مشوروں سے ضرور نوازیں۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ ادارہ آپ کو عمدہ تحقیقی کتب فراہم کرنے کا یہ سلسلہ جاری رکھے گا۔

صاحبزادہ محمد عبدالرشید

For Feedback:
E-Mail: abbas_mustafi@yahoo.com
E-Mail: WhatQuranSays@Gmail.com
Cell: +92-300-7748209, +92-322-5523137

آقا ﷺ کا مقام فوق الادراک

وہ نورِ لطیف، میں کفِ خاک

واصؔب ہے بادلیل دعویٰ!

لولاک لما خلقت الافلاک

﴿منظور احمد واصؔب﴾

''کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات!''

علاماتِ قیامت اور قیامت کے بارے میں تجسس آج کے انسان کے دل میں گھر کر چکا ہے۔ وہ ہر وقت اسی تاک میں رہتا ہے کہ قیامت کی گتھیوں کو کسی نہ کسی طرح سلجھائے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ عالیشان کی حقیقت سے آگاہی حاصل کر سکے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے اور بحیثیتِ مسلمان ہمارا عقیدہ بھی ہے کہ قیامت کے صحیح وقت کا علم صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہے، جبکہ انسان کی قدرت میں محض اتنی سی بات ہے کہ وہ الہامی کتب میں بیان کردہ علاماتِ قیامت کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق کے سفر کو جاری رکھے۔

علاماتِ قیامت پر کتب کی ایک کثیر تعداد اُردو زبان میں موجود ہے۔ بلاشبہ اس موضوع پر روایتی کام کی آج قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی ایسے موضوعات پر نئے سرے سے قلم اُٹھا کر ہم فنِ تحقیق یا اِسلامی فکر کی کوئی خدمت کر سکتے ہیں، جس پر پہلے ہی سینکڑوں لوگ عرق ریزی کر چکے ہوں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قیامت جیسے انتہائی اہم موضوع پر جدت پسندانہ انداز میں قلم اٹھایا جائے اور ایک سائنسی اسلوبِ تحقیق کی داغ بیل ڈالی جائے۔ اس سے نہ صرف تحقیق کے اندر نئے باب کھلیں گے، بلکہ لوگوں کو ذہنی و

فکری اشکالات کے حوالے سے بھی راہنمائی ملے گی۔

قارئین! یہ کتاب جو ابھی آپ پڑھنے جا رہے ہیں، ایک ایسی ہی کوشش ہے جس کو دیکھ کر دل بے ساختہ یہ کہنے کو کرتا ہے کہ مصنف کی یہ کاوش موضوعاتِ قیامت پر ایک نئے مکتبہ فکر کی بنیاد بن جائے گی۔ ہمارے محترم بھائی اور فاضل مصنف ''صاحبزادہ محمد عبدالرشید بھٹی'' حقیقی معنوں میں اپنی اس تصنیف میں تحقیقی معراج پر نظر آتے ہیں۔ اُن کی طرف سے پیش کردہ تحقیق ٹھوس سائنسی، تاریخی اور مذہبی حقائق پر مبنی ہے جس کے انکار کے لیے ہمیں اس سے بھی زیادہ مؤثر دلائل کی ضرورت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کتاب کے مسودہ کی ورق گردانی کر کے میں خود بھی بڑی حد تک یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ 21 دسمبر 2012ء نسل اِنسانی کی تاریخ کا ایک اہم دن ہوسکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس دن ہم عجائباتِ قدرت کا کھلا مظاہرہ دیکھیں۔

اس کتاب میں شامل تمام موضوعات ہی بے حد متاثر کن ہیں۔ تاہم مایا تہذیب، سومیری تہذیب، 21 دسمبر 2012ء پر موجود سائنسی نقطہ ہائے نظر اور ناسٹراڈیمیس کی پیش گوئیوں پر کام انتہائی دقیق اور لائقِ تحسین ہے۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ فاضل مصنف اسی نہج پر کام جاری رکھتے ہوئے دورِ حاضرہ کو بہترین تحقیقات سے نوازیں گے۔

سید وقاص حیدر

Author: "What Quran Says"

قیامت

قیامت نہ صرف ماضی بلکہ عہد حاضر کا ایک مقبول ترین موضوع ہے۔
قیامت کے زمانے اور وقت کے تعین کیلئے مختلف پیشین گوئیاں کی جاتی رہی ہیں
اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ چونکہ عہد حاضر میں ایسی بہت سی علامات ظہور
پذیر ہو چکی ہیں جن کا تعلق قیامت سے منسوب ہے اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں
ہوگا کہ موجودہ عہد قیامت کی دہلیز پر سانس لے رہا ہے۔

''21 دسمبر 2012ء: کائنات قیامت کی دہلیز پر'' کے عنوان سے
فاضل مصنف نے ایک عمدہ کاوش اور اچھی تحقیق پیش کی ہے اور نہ صرف مسلمانوں
بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کے عقائد ونظریات اور پیش گوئیوں کو قلم
بند کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ایک حوالجاتی کتاب کے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔
مصنف نے ویب باٹ کے حوالے سے بھی ایک تحقیقی تحریر پیش کی ہے تاہم یہ
سب امکانات ہیں۔ نیز نیبرو یا ریڈ سیارے کا ذکر خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ اس
موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کی مزید گوشوں تک رسائی ہوگی۔

مصنف نے علاماتِ کبریٰ، علاماتِ صغریٰ اور علامات بعیدہ پر بھی
خاصا مواد پیش کیا ہے اور سب سے پہلے قرآن کریم کے مقدس ماخذ کو مدنظر رکھا

ہے اور اس کے بعد احادیث مبارکہ سے اپنے موضوع کو تقویت بخشی ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام کے حوالے سے بھی مصنف نے اپنے خیالات کا شافی اظہار کیا ہے۔ قیامت کے موضوع پر کتب تیار کرنے کا مقصد شہرت یا کاروبار نہیں بلکہ یہ ایک ایسا فریضہ جو سوئے ہوئے لوگوں کو مہمیز کرنے کیلئے ہے۔ یوں تو حادثات و واقعات اور سانحات کے لحاظ سے دُنیا میں چھوٹی بڑی قیامتیں برپا ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن جس قیامت کا حوالہ تمام سامی و غیر سامی مذاہب دیتے ہیں اس کی ہولناکی کی ایک جھلک کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں۔

اگرچہ قیامت کے معینہ وقت کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے تاہم حالات کے تناظر میں کسی حد تک امکانات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان قیامت کیلئے تیاری کر لے اور اپنے آپ کو اس گھڑی کا سامنا کرنے کیلئے تیار رکھے جس کا قرآن پاک میں بار بار ذکر آیا اور جس کا احاطہ کرنا انسانی ذہن کے بس کی بات نہیں ہے۔

غیر مسلم اور دیگر اہل کتاب منجم، کاہن اور پیشین گو بھی لوگوں کو سیارۂ زمین کی تباہی یعنی قیامت کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح خبردار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب چونکہ زیادہ تر اسلامی تناظر میں لکھی گئی ہے اس لئے یقیناً اس کا مقام الگ اور منفرد ہے۔ اس کا مطالعہ یقیناً صاحب بصیرت و فراست قارئین کیلئے مفید ہوگا۔

مصنف نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے ملکی اور غیر ملکی ماخذات کے علاوہ انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کیا ہے اور تمام معلومات کو احسن

انداز میں ترتیب دیا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع دقیق ہونے کے علاوہ نہایت وسیع بھی ہے اور اسے ایک مختصر کتاب میں جامعیت کے ساتھ پیش کرنا بھی فاضل مصنف کا ایک گرانقدر علمی کام ہے۔

مسلمان، یہود، نصاریٰ اور ہنود کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروکار بھی قیامت کے بارے میں مختلف نظریات اور عقائد رکھتے ہیں۔ مصنف نے ہر مذہب اور مکتبۂ فکر کی فکر کو نہ صرف پرکھا ہے بلکہ مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

اس کتاب کی ایک اور خاص بات اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب محدود دائرے کے اندر رہ کر اور روایات کے تناظر میں نہیں لکھی گئی بلکہ مصنف نے ہر نظریے کو تحقیق کے مراحل سے گزارا ہے اور جو نظریہ اس کسوٹی کے معیار پر پورا نہیں اُترا اسے بلا جھجک مسترد کر دیا ہے۔ مصنف نے نہ صرف تاریخ بلکہ ماقبل تاریخ کے واقعات کا بھی موازنہ کیا ہے اور طوفانِ نوح سے قبل کے ایک اور عظیم طوفان کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں پچانوے فیصد کرۂ ارض زیرآب آ گیا اور اسی طوفان میں ڈائنوسار جیسے عظیم الجثہ جانور صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ ایک قیامت وہ بھی تھی اور ایک قیامت باقی ہے۔ اس وقت سرخ سیارہ زمین کے مدار میں خلل انداز ہوا تھا اور اکیس دسمبر ۲۰۱۲ء کو مصنف کے مطابق پھر یہ سیارہ زمین سے چھیڑ چھاڑ کرنے والا ہے۔ نیز قدیم قوموں کی سائنسی ترقی کے حوالے سے ان کے نظریات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

مایا قوم کے کیلنڈر کے بارے میں مصنف نے بڑی دلچسپ بات کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ کیلنڈر ۲۰۱۲ء منتج ہوتا ہے۔ نیز کمپیوٹر پروگرام ویب باٹ بھی دسمبر ۲۰۱۲ء

تک پہنچ کر چپ سادھ لیتا ہے جسے مصنف نے نہایت معنی خیز انداز میں لیا ہے۔

قیامت کے وقت کا صحیح علم تو ذاتِ باری تعالیٰ ہی کو ہے اور وہی بہتر جاننے والا ہے مگر اس کے عطا کیے ہوئے علم کی بدولت انسان بھی کسی حد تک قیاس آرائیاں کرسکتا ہے۔ موت برحق ہے اور اس کا وقت معین ہے۔ جو یہاں سے چلا گیا اس کیلئے روزِ حساب شروع ہوگیا لیکن جو موجود ہیں انہیں قیامت کیلئے تیاری کرنی چاہیے۔ قیامت کی تیاری حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا نام ہے۔ بہت سے لوگ اللہ کے حقوق تو ادا کرتے ہیں لیکن بندوں کے حقوق کا زیادہ خیال نہیں رکھتے۔ عبادات کا اوّلین مقصد ایک انسان کو اعلیٰ انسان بنانا ہوتا ہے اور اگر ایک شخص عابد و زاہد ہونے کے باوجود حقوق العباد کے معاملے میں کوتاہی کرتا ہے تو اسے اپنے بارے میں خود سوچنا چاہیے۔ انسانی اقدار ہی شرف انسانیت کا باعث ہے اور جس نے انہیں پورا کیا اسے کوئی ڈر نہیں ہوتا۔ قیامت کی ہولنا کیوں میں ربّ کعبہ خود اس کا پاسبان ہوگا اور وہ اس کسمپرسی اور افراتفری کے عالم میں بھی کسی مسئلے کا شکار نہیں ہوگا۔

مصنف نے نہایت منفرد موضوع پر قلم اُٹھایا ہے اور اس کاوش کو نہایت احسن انداز میں شائع کرنے کا سہرا اگگن شاہداور امر شاہد کے سر ہے جو یقیناً قارئین کے خراج تحسین کے لائق ہیں۔ آخر میں مصنف کیلئے دُعا گو ہوں کہ ان کا اس انداز میں تحقیقی سفر جاری رہے اور وہ قارئین کو مفید کتب پیش کرتے رہیں جو ان کیلئے دینی و دُنیاوی فائدے کا باعث ہوں۔

انجم سلطان شہباز

تعارف

INTRODUCTION

عصر حاضر کا انسان مادی ترقی کی اُس انتہا پر پہنچ چکا ہے، جس کی مثال تاریخ انسانی میں آج سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہواؤں میں اُڑنا کبھی انسان کا خواب ہوا کرتا تھا۔ جو آج نہ صرف حقیقت کا روپ دھار چکا ہے، بلکہ روز مرہ زندگی کا عام سا معاملہ لگتا ہے۔ اسی طرح دنوں اور مہینوں کے سفر کو سمیٹ کر گھنٹوں میں طے کر لینا، زمینی جغرافیہ سکیڑ کر ایک عالمگیر تہذیب کا قیام عمل میں لے آنا، سمندروں کے نیچے ریل کے راستے بنا دینا[1]، سمندری اور برفانی شہر آباد کر دینا، کشش ثقل کے خول کو پھاڑ کر زمینی مدار سے باہر نکل جانا، خلاؤں کو دور تک مسخر کر لینا اور سطح چاند پر انسانی عظمت و ترقی کا نشان انسانی قدموں کے نشانات کی صورت میں چھوڑ آنا عہد جدید کے وہ معجزات ہیں، جو ماضی کے توہم پرست انسان کے ادراک کی آخری حدوں سے بھی ماوراء ہیں۔
اگر آج سائرس اعظم، سکندر اعظم، قسطنطین اعظم، چنگیز خان، امیر تیمور، سلطان سلیمان قانونی، اکبر اعظم اور نپولین بونا پارٹ جیسے عہد ساز فرمانرواؤں میں سے کوئی ایک بھی اکیسویں صدی کے سائنسی اور تکنیکی دور کی ایک جھلک بھی دیکھ

لے تو شائد ورطۂ حیرت میں گم ہو کر اسے کوئی مافوق الفطرت دنیا سمجھ بیٹھے۔ ماضی کا انسان اگر انسانی ترقی کے بیان میں مبالغہ آرائی کی آخری حدوں کو چھونے لگتا تو بھی شائد اُس کا شعور موجودہ ترقی کے عشر عشیر تک نہ پہنچ پاتا۔

انسان کی مادی ترقی کا اِس نقطۂ عروج پر پہنچ جانا بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ تاہم اِس کارنامے کے پیچھے تصورات، نظریات، فلسفوں اور کاوشوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جس نے انسانی عقل کو ترقی کے زینہ پر درجہ بدرجہ چڑھنے میں مدد دی اور انسان کا مجموعی شعور ہر انفرادی فکر و فلسفہ کے پیش کیے جانے کے بعد وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ انسان نے غاروں سے نکل کر گھر اور بستیاں بنانا سیکھ لیا۔ وہ کھانا جمع کرنے والا جانور (Food Gatherer) تھا، لیکن فطرت نے اسے کاشتکاری کا ہنر سکھا دیا اور یوں انسان نے علم و آگہی کے اُس سفر کا آغاز کیا، جس کی انتہا شاید قیامت سے پہلے کبھی نہ ہو۔ تاہم یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ترقی میں آگے کی سمت اٹھنے والے ہر انسانی قدم نے انسان کی مجموعی فکر پر ایک منفی اثر بھی ڈالا۔ تازہ ذہن رکھنے اور قدرتی ماحول کے قریب رہنے والا انسان آسائش و آرائش کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ الجھاؤ کا شکار ہوتا چلا گیا۔ اس نے قدرتی ماحول سے دوری اختیار کر کے خود کو مصنوعی ماحول کے سانچے میں ڈھال لیا۔ یہی وہ نقطہ تھا، جہاں سے مصنوعی معاشرتی نظام کا آغاز ہوا اور انسان نے اس کو جدید زبان میں تہذیب (Civilization) کا نام دیا۔ اور یوں تہذیبی زندگی کا آغاز آج سے لگ بھگ چھ ہزار (6000) سال قبل قدیم عراق (Mesopotamia) کے

''زرخیز ہلال'' (Fertile Crescent) نامی خطہ میں ہوا۔ جو اپنے ارتقاء کی مختلف صورتوں سے ہوتا ہوا آج ''سکائی سکریپرز'' (Sky-Scrapers) اور ''سپیس سائنس'' (Space Science) کے عہد میں داخل ہو چکا ہے۔

اکیسویں صدی میں دنیا کے ہر سوچ و بچار کرنے والے انسان کے سامنے ایک مختصر مگر انتہائی پیچیدہ سوال ہے کہ آخر انسانی ترقی کی انتہا کیا ہو گی؟ ابھی انسان کو اور کتنا آگے جانا ہے؟ اور کائنات کے وہ کون کون سے راز ہیں، جو ابھی افشا ہونے باقی ہیں؟ کیا اس خودکار مادی نظام (Self-Governing Material Mechanism) کی کوئی انتہا بھی ہے؟ اگر آج کی تیز رفتار زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے انسان ان بنیادوں پر سوچنا شروع کر دے تو یوں محسوس ہو گا کہ دنیا کا نظام بغیر رُکے ہمیشہ یونہی چلتا رہے گا۔ یہ ایک ایسا پُرفریب فلسفہ ہے، جس سے قدیم یونان سے لے کر دورِ جدید تک کا ہر فلسفی متاثر نظر آتا ہے۔ اُنیسویں صدی کے عظیم فلسفی کارل مارکس نے بھی اس مسئلہ سے مدلل بحث کرنے کی کوشش کی اور بالآخر "Dialectical Materialism" کی صورت میں یہی نتیجہ نکالا کہ کائنات میں مادے کا وجود ہمیشہ سے ہے اور یہ کبھی فنا نہیں ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں مادے کے وجود اور انسان کی مادی ترقی نے کارل مارکس کو ایک ایسے فریب کا شکار کر دیا، جس نے بعد کی دنیا کو بھی بہت عرصہ تک اپنے سحر میں لیے رکھا۔ تاہم جو بنیادی نکتہ یہاں قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی جبلت میں مادے کی فطرت کو سمجھنے کی خواہش ہر دور میں رہی ہے۔

علم الانسانیات(Anthropology) کے مطابق انسانی معاشرے کے ارتقاء کے دوران دو ایسے شاندار انقلابات وقوع پذیر ہو چکے ہیں، جن کی بدولت آج کا انسان اس قابل ہوا کہ آفاق تک کی تسخیر کر لے۔ زراعت کی ابتداء کوتاریخ انسانی کے اوّلین ''انقلابِ عظیم'' (Great Revolution)[2] کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ وہ حیرت انگیز واقعہ تھا، جس نے انسان کے طرزِ زندگی کو یکسر بدل ڈالا اور انسان نے ''Socialization'' کے عمل کا آغاز کر کے خود کو ''بے قاعدہ'' سے ''با قاعدہ'' بنالیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہی وہ واقعہ ہے، جسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے سائنس دانوں نے انسان کو Homo Sapien Sapien یعنی ''عقلمند و دانا انسان'' کا وسیع ترین معنی رکھنے والا نام دیا۔ انسانی تاریخ کا دوسرا انقلابِ عظیم اٹھارہویں صدی عیسوی میں وقوع پذیر ہوا اور اسے ہم ''صنعتی انقلاب'' (Industrial Revolution) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس واقعہ کی نسبت صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ انسان نے صنعتی انقلاب کی بدولت Superstitious سے Scientific عہد میں قدم رکھا۔ اس عمل کو جدید اسلوب میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسان نے Survival کی مشقتوں سے نکل کر Living کی پر تعیش زندگی کا آغاز کر دیا۔ صنعتی انقلاب کے بپا ہونے کے بعد انسانی معاشرہ میں عالمگیر سطح پر بنیادی تبدیلیاں (Radical Changes) رونما ہوئیں اور انسان کو اپنے وجود سے لے کر اپنی معاشرت اور تہذیب تک کے مفہوم کی وضاحت از سرِ نو کرنا پڑی۔ معاشرہ جوں جوں پھیلتا گیا، پیچیدگیاں بڑھتی گئیں، کرۂ ارض کی آبادی جو کہ بیسویں صدی کے آغاز پر

ایک ارب تھی، محض ایک صدی میں چھ ارب سے تجاوز کر گئی۔ تاریخ بنی نوع انسان میں آبادی میں اضافہ کی یہ رفتار کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ایک سائنسی تجزیہ کے مطابق اگر آبادی میں اضافہ کی یہ شرح برقرار رہی اور انسان کو وہ تمام سہولیات میسر رہیں، جو آج اُسے حاصل ہیں، تو 2400ء کے اختتام پر دنیا میں موجود ہر انسان کو ایک مربع فٹ سے زیادہ جگہ دستیاب نہیں ہوگی، اور اتنی جگہ محض اُس کے کھڑے ہونے کیلیئے ہی کافی ہوگی[3]۔

سولہویں صدی عیسوی میں جب مغربی یورپ میں ''احیائے علوم'' (Renaissance) کا انقلاب بپا ہوا تو انسان نے بہت سارے ایسے سوالات اٹھائے، جن کا تعلق بیک وقت Micro-Cosmos اور Macro-Cosmos سے تھا۔ چونکہ علمی ترقی اور قدرتی سائنس ابھی نوزائیدہ تھے۔ اس لیے اِن سوالات کا تسلی بخش جواب کبھی نہ دیا جا سکا۔ یہاں یہ امر انتہائی دلچسپی کا حامل ہے کہ لگ بھگ وہی سوالات آج کے اذہان میں بھی موجود ہیں اور انسان اپنے مجموعی علم کو اکٹھا کر کے آج بھی اُن سوالات کا جواب ڈھونڈنے میں سرگرداں ہے۔ تاہم سولہویں صدی کے انسان اور آج کے انسان کی کاوشوں میں یہ فرق ہے کہ سولہویں صدی میں تجرباتی علم ابھی نوخیز تھا، جبکہ اکیسویں صدی میں یہ اپنی پختہ تجرباتی (Empirical) شکل اختیار کر چکا ہے۔ جس کی بدولت جدید زمانے کا انسان کائنات کے بہت سے ایسے رموز و اسرار سے پردہ اٹھا چکا ہے، جو کبھی مافوق الفطرت قوتیں سمجھے جاتے تھے۔

دنیا کا خاتمہ جسے ہم عرفِ عام میں ''قیامت'' سے تعبیر کرتے ہیں،

بھی ایسے چند انتہائی مشکل سوالات میں سے ایک ہے، جن پر آ کر انسانی دماغ بے بس ہو جاتا ہے اور ٹامک ٹوئیاں مارنے کے سوا کچھ نہیں کر پاتا۔ تاہم ایک حقیقت جو آج باہیں کھولے ہمارے سامنے کھڑی ہے اور جس کے رونما ہونے سے انکار تقریباً ''ناممکن'' ہے، وہ قیامت کا آنے والے چند ہی سالوں میں وقوع پذیر ہونا ہے۔ بلاشبہ ہم قیامت کے انتہائی قریب کھڑے ہیں۔ قیامت کے ادراک کے حوالے سے جو تجسس کی لہر عصر حاضر کے انسان میں پیدا ہوئی ہے وہ نہ صرف قابل غور ہے، بلکہ قابل ستائش بھی ہے۔ انسان نے آج کے دور میں میسر قدیم و جدید علوم کی مختلف جہتوں کو کھنگال کر جو منطقی و سائنسی نتائج حاصل کیے ہیں وہ انتہائی حیران کن ہیں۔ تاہم انسان کو جہاں اپنی دریافت پر فخر اور خوشی ہے، وہیں یہ نتائج اُس کیلئے انتہائی پریشان کن بھی ہیں۔ کیونکہ ان نتائج کے ذریعے مستقبل کے کچھ ایسے راز افشاء ہو چکے ہیں، جن کا ادراک دن کے چین اور راتوں کی نیند اُڑا دینے کیلئے کافی ہے۔ جوں جوں انسان کی تحقیق آگے بڑھ رہی ہے، مستقبل قریب کے ایک خاص دن پر تمام تحقیقی اور سائنسی مکاتب فکر کی توجہ مرکوز ہوتی جارہی ہے۔ واقعات کی بے تحاشہ دُھند میں یہ خاص دن کچھ انفرادی خصوصیات کی بنا پر واضح تر اور اہم تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ہر علمی اور فکری حلقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ جب کچھ 'خاص دلائل' کی روشنی میں کچھ 'خاص زاویوں' پر رونما ہونے والے کچھ 'خاص واقعات' کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہیں تو وہ بھی بالکل وہی نتائج اخذ کرتے ہیں، جو ہم اِس کتاب میں پیش کرنے جارہے ہیں۔

Apocalypse یعنی ''ظہورِ قیامت'' کے حوالے سے آج تک ہونے والی تحقیق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ 21 دسمبر 2012ء ایک ایسا دن ہو گا، جو دنیا میں ڈرامائی تبدیلیوں اور تباہی کے ایک عظیم سلسلے کی ابتداء کرے گا۔ یہ سلسلہ کب اور کیسے ختم ہو گا؟--اِس بارے میں ہم ابھی کوئی حتمی رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ تاہم آخری عہدِ انسانی کی ابتداء کے حوالے سے جو معلومات ہمیں آج تک دستیاب ہو چکی ہیں، اُن کی روشنی میں ہم یہ بات سو فیصد یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ قیامت کا دن ہمارے بے حد قریب آن پہنچا ہے۔

21 دسمبر 2012ء کی تاریخ پر بطورِ ابتداءِ قیامت اصرار کرنے کی بے شمار وجوہات ہیں۔ اس امر کی وکالت کے لیے ایسے بہت سارے قرائن موجود ہیں، جن کو ہم سائنسی زبان میں ''ثبوت'' کہہ سکتے ہیں۔ یہ تمام ثبوت جن کو ہم اِس کتاب میں پیش کرینگے اسی ایک خاص تاریخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قارئین آنے والے صفحات میں اُن تمام معلومات سے آگاہ ہوں گے، جو 21 دسمبر 2012ء کو قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے قرائن کے متعلق ہیں۔ چونکہ جدید اسالیبِ تحقیق میں کثیر الجہتی تحقیق کو زیادہ قابل اعتماد مانا جاتا ہے، اس لیے ہم جونہی اِس کسوٹی پر 21 دسمبر 2012ء کے بارے میں دستیاب تمام معلومات کا جائزہ لیتے ہیں تو خطرے کی سرخ گھنٹی زور زور سے بجتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔

ترجمہ: ''اُن لوگوں کا حساب قریب آن پہنچا ہے اور (افسوس) وہ

غفلت میں پڑے منہ پھیر رہے ہیں۔"

(سورۃ الانبیاء، ۲۱:۱)

21 دسمبر 2012ء پر ارتکاز کرتے ہوئے جو تحقیقات عالمگیر سطح پر کی جا رہی ہیں، اُن کو "Millenarianism 2012" کہا جاتا ہے۔ ان تحقیقات کی بدولت انسان پر حقائق کے ایسے نئے باب کھل رہے ہیں، جن کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مثال کے طور پر مغرب کی تیز زندگی میں انسان تقریباً بھول ہی چکا تھا کہ مادے سے تخلیق شدہ ہماری دنیا کی کوئی انتہا بھی ہے۔ مادیت پرستی پر مبنی مغربی فلسفۂ زندگی نے انسان کوئی صدیاں پہلے ہی مذہب سے مکمل طور پر بیزار کر دیا تھا۔ انسان زندگی اور اس کے وجود کے معانی و مدعا کو سمجھنا تو درکنار، ان کے بارے میں سوچنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ اچانک مغربی اذہان میں ایک سنسنی سی سرایت کر گئی۔ 1980ء کی دہائی میں اُٹھنے والی ایک پراسرار آواز روز بروز بلند تر ہوتی گئی۔ یہ آواز بیک وقت دو سمتوں سے آ رہی تھی۔ ایک طرف سے سائنسدان کہہ رہے تھے کہ کرۂ ارض پر انسانی وجود محض چند سالوں کا مہمان ہے۔ اور دوسری طرف زمانۂ قدیم کی کہانتوں اور تہذیبوں کے اندر صدیوں سے مقید آوازیں چیخ چیخ کر خبردار کرنے لگیں کہ اکیسویں صدی کا آغاز درحقیقت حیاتِ انسانی کا اختتام ہے۔ اس وقت جہاں ان دونوں تنبیہات نے سنسنی پھیلا رکھی ہے، وہیں مذہبی پیشگوئیوں اور وعیدوں نے بھی یہ خبر دے کر جدید انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیئے ہیں کہ آج کا انسان آخری زمانے میں جی رہا ہے اور اس عہد کے خاتمہ پر پھر سے

وہی کیفیت چھا جائے گی، جسے ہم ''عالم عدم'' کے نام سے جانتے ہیں۔

ترجمہ: ''زمین پر جو کچھ ہے، سب فنا ہونے والا ہے۔ صرف تیرے ربّ کی ذات، جو عظمت اور عزت والی ہے، باقی رہ جائے گی۔''

(سورۃ الرحمٰن، ۲۷-۲۶:۵۵)

اِن Apocalyptic معاملات میں جدید انسان کی دلچسپی اس قدر بلند ہوئی کہ ایک نیا مکتبۂ فکر وجود میں آ گیا۔ یہ مکتب بہت سے ایسے ''ماہرین آثارِ قیامت'' پر مشتمل ہے جو یونیورسٹیز اور انٹرنیشنل ریسرچ انسٹیٹیوٹس کی سطح پر محض اس بات کی تحقیق کر رہا ہے کہ کون کون سے ایسے (مذہبی، تاریخی، سائنسی اور اساطیری) ثبوت موجود ہیں، جو قربِ قیامت کا پتہ دے رہے ہیں۔

راقم الحروف کی طرف سے پیش کردہ یہ کتاب بھی ایسی ہی تحقیق پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ اُردو زبان میں اس منفرد لیکن انتہائی توجہ طلب موضوع پر یہ پہلی کتاب ہو گی، جو کہ قارئین کو پیش کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کی تحریر و طباعت کا مقصد ہرگز قیامت کی ہولناکیوں کا خوف پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ اُردو زبان کے قارئین کو ایسے موضوعات پر ہونے والی اُن تحقیقات سے متعارف کروانا ہے، جنھوں نے عالمی سطح پر بھونچال بپا کر رکھا ہے۔ راقم الحروف نے کتاب کی تحریر سے پہلے 21 دسمبر 2012ء کی بطور ''یوم قیامت'' نشاندہی کے موضوع پر ہر پہلو سے غور کیا، تاکہ اس بات کا قطعی ادراک کیا جا سکے کہ کہیں یہ ایک بھونڈا مذاق تو نہیں، جسے عالمی میڈیا محض بے چینی پیدا کرنے کیلئے پھیلا رہا

ہو۔ تاہم دورانِ تحقیق جب راقم الحروف کو ایسے ٹھوس شواہد میسر آئے جن کا جھٹلایا جانا تقریباً ناممکن تھا، تو راقم الحروف نے کچھ ضروری چھان بین کے بعد قلم اٹھا کر اس موضوع کو عوامی بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ راقم الحروف ٹھوس شواہد و دلائل کی روشنی میں خود بھی اس بات کا قائل ہے کہ 21 دسمبر 2012ء انسان کی مجموعی زمینی زندگی کا اہم ترین دن ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ انسانی وجود اور سیارۂ زمین دونوں ہی اس دن انجام سے دوچار ہو جائیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ انسان کی تخلیق کردہ مادی تہذیب دھڑام سے گر جائے اور انسانی آبادی بھوک و افلاس کا شکار ہوکر بالآخر ختم ہو جائے۔ معروف سائنسدان ''البرٹ آئن سٹائن'' (Albert Einstein) نے ایٹم بم کی ایجاد کے بعد ایک مشہور بات کی تھی۔ جس کا سیاق سباق اگرچہ مختلف ہے۔ تاہم یہ ہمارے ''بھوک و افلاس'' والے نکتے پر بڑی حد تک استدلال کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آئن سٹائن نے کہا تھا:

> *"I know not with what weapons World War III will be fought, but World War IV will (if ever) be fought with sticks and stones."*

21 دسمبر 2012ء کا دن بہت سے حوالوں سے اہم سمجھا جا رہا ہے۔ اگرچہ ماضی میں بھی قیامت کے جلد ظہور کی پیشگوئیاں ہوتی رہیں۔ لیکن وہ سب جھوٹ ثابت ہوئیں۔ تاہم آج قطعی انکار کی گنجائش نہیں۔ اپنے اس مؤقف کی حمایت میں راقم الحروف صرف اتنا کہنا چاہے گا کہ 21 دسمبر 2012ء

کے قطعی استرداد سے پہلے ضروری ہے کہ کم از کم اُن شواہد کا ایک نظر جائزہ لے لیا جائے، جو قیامت کی ابتدا کے ضمن میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ 21 دسمبر 2012ء کا دن سائنسی، تاریخی اور مذہبی نقطہ ہائے نظر سے بے انتہا اہمیت اختیار کر چکا ہے، حتیٰ کہ اسلام جیسا سائنسی و منطقی دین بھی اس دن کی بطور یومِ قیامت حمایت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ الغرض ہر طرف سے بے شمار ٹھوس ثبوت دستیاب ہو چکے ہیں۔ ان ثبوتوں کی روشنی میں ایک اور بات طے ہو جاتی ہے کہ قیامت کے اکیسویں صدی میں ظہور کا تصور ہر دَور میں ہمہ گیر تصور کے طور پر رائج رہا اور آج بھی یہ ایک ہمہ گیر اور عالمگیر تصور کے طور پر اُبھرا ہے، جس کو جھٹلانے کیلئے ہمیں مخالفانہ ٹھوس شواہد کی ایک لمبی فہرست اور بہت سا وقت درکار ہوگا۔ بلاشبہ یہ دونوں ہی اب دستیاب نہیں کیونکہ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔

قارئین سے التماس ہے کہ وہ کتاب میں پیش کردہ شواہد کا بغور جائزہ لیں اور سنجیدگی سے اِن کی نوعیت پر غور و خوض کریں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب کسی قاری کی زندگی میں بنیادی تبدیلی کا باعث بن جائے۔

حوالہ جات

۱۔ انگلستان اور فرانس کے درمیان چلنے والی ریل گاڑی ''یورو سٹار'' (Euro Star) تقریباً چھپن (56) کلومیٹر کا فاصلہ زیر آب بنائی گئی سرنگ میں طے کرتی ہے۔ یہ سرنگ جدید طرز تعمیر کا شاہکار ہے۔ سمندر کے اس حصے کو ''انگلش چینل'' (English Channel) کہتے ہیں۔

۲۔ انگریزی زبان میں انسانی تاریخ کے اوّلین زرعی انقلاب کو "Neolithic Revolution" کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح ماہرینِ عمرانیات (Sociologists) اور ماہرینِ انسانیات (Anthropologist) کے ہاں کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔

۳۔ وضاحت کیلئے دیکھئے:

Isaac Asimov, *Asimov's Guide to Science*, New York: Basic Books, 1972, "Introduction"

باب ا

کائنات کا انجام اور مذہبی نظریات

End of Universe & Religious Ideology

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قیامت کا پورا تصور ہی اپنی اصلی شکل میں مذہب کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ کرہٗ ارض پر موجود تمام مذاہب کائنات کے انجام کی مختلف تشریحات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دنیا کے ہر معروف مذہب کے اندر کائنات کی تخلیق، نظم ونسق، مقاصد اور انجام کے حوالے سے چند عقائد اور کہانیاں پائی جاتی ہیں۔ ان سب عقائد اور کہانیوں میں جو چیز مشترک ہے وہ انسان کی اس سارے نظام میں اہمیت اور اُس کا کلیدی کردار ہے۔ ہر مذہب انسان کو کائنات میں مرکزی کردار عطا کرتا ہے اور اُسے عالم رنگ و بو میں مافوق الفطرت قوتوں کا نمائندہ قرار دیتا ہے۔

انسان آج جس طرز کے تصورِ قیامت سے واقف ہے اس کی تخلیق قدیم عراق (Mesopotamia) کی ''سومیری تہذیب'' (Sumerian Civilization) میں لگ بھگ 3000 قبل مسیح میں ہوئی۔ اسی تصور کو عراق کی سرزمین پر سومیریوں کے بعد آباد ہونے والی ''عکادی قوم'' (Akkadians)

نے اپنایا اور باقی دنیا تک اپنے تہذیبی اثرات کے پھیلاؤ کے ذریعے پہنچا دیا۔ عکادیوں کے افکار کے سب سے زیادہ اثرات آلِ یعقوب ''بنی اسرائیل'' پر پڑے جو جغرافیائی اعتبار سے عراقی سرزمین کے بہت قریب موجودہ فلسطین میں آباد تھے۔ بنی اسرائیل کا قومی مذہب جس کو آج ہم ''یہودیت'' (Judaism) کے نام سے جانتے ہیں وہ پہلا الہامی مکتبہ فکر ہے جس نے تصورِ قیامت پر کسی حد تک تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یہودی مذہبی کتب ''تنخ'' (Tanakh) اور ''تالمود'' (Talmud) دونوں ہی تصورِ قیامت کی مختلف جہتوں پر بحث کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہودیت کے بعد جس مذہب نے بڑے کھلے انداز میں قیامت کے موضوع پر بحث کی وہ ''عیسائیت'' تھا۔ عیسائیت بنیادی طور پر ایک اخلاقی اور روحانی مذہب ہے، جس کی دینیاتی فکر کا مطلق دارومدار ''اُخروی اجر'' (Salvation) اور ''اُخروی زمانہ میں مسیحا کی واپسی'' (Second Coming of Christ in End Times) کے نظریات پر ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک قیامت کا واقع ہونا ان دونوں معاملات سے منسلک ہے۔ عیسائی ''عہد نامہ جدید'' (New Testament) میں بکھرے ہوئے بکثرت حوالوں کے علاوہ جو کتاب خالصتاً اُخروی زمانہ اور قیامت کے موضوعات کو زیرِ بحث لاتی ہے، وہ یوحنا حواری کی ''کتابِ مکاشفہ'' (John's Book of Revelation) ہے۔ اس کتاب کی خاصیت اس کا اسلوب اور عجیب و غریب تمثیلات ہیں جن کو پڑھ کر انسان انہونے خوف کا شکار ہو جاتا ہے۔ کتابِ مکاشفہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں واپسی کی ایک ڈرامائی تصویر دی گئی ہے، جو حقیقت سے

زیادہ افسانوی اور مافوق الفطرت لگتی ہے۔ مرقوم ہے کہ:

"And I saw heaven opened, and behold a white horse: and he that sat upon him was called Faithful and True, and in righteousness he doth judge and make war. His eyes were as a flame of fire...and out of his mouth goeth a sharp sword, that with it he should smite the nations: and he shall rule them with a rod of iron."

(Revelation 19:11-15)

ترجمہ: ''اور میں نے آسمان کو پھٹتے ہوئے دیکھا۔ اور دیکھو ایک سفید گھوڑا نکلا اور اُس پر جو سوار ہے وہ باوفا اور سچا کہلایا، اور اُس نے حق کے ساتھ (لوگوں کی) آزمائش کی اور جنگ کرتا گیا۔ اُس کی آنکھیں آگ کے انگارے کی طرح تھیں۔ اور اُس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی تھی جس سے وہ (کافر) قوموں کو سزا دے گا، اور وہ آہنی ہاتھوں کے ساتھ اُن پر حکومت کرے گا۔''

تیسرا عالمگیر مذہب جو قیامت جیسے مابعد الطبیعاتی موضوع کو کُریدتا اور اس پر تبصرہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ اسلام ہے۔ اسلام تصورِ قیامت پیش کرتے ہوئے اپنے پیشرؤں یعنی یہودیت اور عیسائیت سے بہت مختلف انداز

بیاں اگرچہ نہیں اپناتا۔ تاہم اسلام کا تصورِ قیامت کے حوالے سے مزاج دوسروں کی نسبت زیادہ منطقی اور سائنسی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں قیامت کے موضوع پر جو ''ٹائم فریم'' (Time-frame) دیا گیا ہے، اُسے بحیثیتِ مجموعی تین طرح کی عالمگیر نوعیت کی ''علامات'' (Signs) سے جوڑ دیا گیا ہے۔ ان علامات کو دینیاتی اصطلاح میں ''علاماتِ صغریٰ، علاماتِ کبریٰ اور علاماتِ بعیدہ'' کے نام دیئے جاتے ہیں۔ احادیثِ نبوی ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ جونہی یہ علامات پوری ہو جائیں گی، قیامت بھی واقع ہو جائے گی۔

ان تین سامی الہامی مذاہب کے علاوہ زرتشت مت، ہندومت، بدھ مت، جین مت اور کنفیوشس مت میں بھی دنیا و مافیہا کی بساط لپیٹ دیئے جانے کے مختلف عقائد پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندومت ایک ایسا مذہب ہے جس کی مذہبی کتب میں تخلیقِ کائنات سے لے کر مطلق تباہی تک کے تمام واقعات موجود ہیں۔ ہندو دیوتاؤں میں اگر کوئی تخلیق کرنے والا ''براہما'' (Brahma) اور قائم رکھنے والا ''وشنو'' (Vishnu) ہیں، تو ساتھ ہی ایک تباہ کرنے والا دیوتا ''شیوا'' (Shiva) بھی ہے جس کا کام ہی کائنات کو حتمی تباہی سے دوچار کرنا ہے۔ ہندوؤں کی اکثریت کا عقیدہ ہے کہ جونہی وشنو دیوتا کا آخری ''اوتار'' (Avatar) اور ہندومت کا گھڑسوار مسیحا ''کلکی'' (Kalki) ظاہر ہو جائے گا، تو پھر ہندومت کے عالمگیر غلبے کے بعد دنیا اپنے اختتام کی طرف بڑھ جائے گی[1]۔ کلکی سنسکرت کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ''گندگی و تاریکی کو جڑ سے ختم کرنے والا''۔ مقدس ہندو کتاب ''گرودپُران'' (Garuda

(Purana کے مطابق کلکی وشنو کا دسواں جبکہ "بھاگووّت پُران" (Bhagavata Purana) کے مطابق کلکی وشنو کا بائیسواں اوتار ہو گا۔ عیسائیوں کا کتابِ مکاشفہ میں پیش کردہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانوں سے واپسی کا منظر اس ہندو عقیدہ سے متاثر نظر آتا ہے۔ یہ بات تاریخی حقیقت ہے کہ کلکی اوتار کا ہندو عقیدہ عیسائی مذہب کی آمد سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا۔ عین ممکن ہے کہ اس کے اثرات کسی طور کتابِ مکاشفہ کے مصنف تک جا پہنچے ہوں، جس نے اسے بعد میں عیسائی رنگ دے دیا ہو۔

ایسا عقیدہ جس کی بنیاد کوئی اُخروی "مسیحا" (Savior) ہو اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ اُس مسیحا کے ظہور کے ساتھ ہی سب کچھ آئیڈیلزم کی حد تک ٹھیک ہو جائے گا انگریزی میں "Messianic Faith" کہلاتا ہے۔ اگر اُوپر بیان کردہ ہندو عقیدے کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہندومت بھی عیسائیت، یہودیت، زرتشت مت اور اسلام بالخصوص شیعہ مکتبہ فکر کی طرح ایک "مسیحائی" (Messianic) مذہب ہے، جو اُخروی دور میں رونما ہونیوالی ڈرامائی تبدیلیوں کا منتظر ہے۔ یہ ڈرامائی تبدیلیاں ہندو عقیدہ کے مطابق "کلکی اوتار" کی آمد کے بعد وقوع پذیر ہوں گی۔ اور کلکی اوتار سفید گھوڑے پر سوار ہاتھوں میں تلوار تھامے "ہر غلط کو صحیح" کرتا جائے گا۔ بھاگووّت پُران میں کلکی کے بارے میں ایک جگہ یوں رقم ہے:

"Lord Kalki, the Lord of the universe,
will mount His swift white horse

Devadatta and, sword in hand, travel over the earth exhibiting His eight mystic opulences and eight special qualities of Godhead. Displaying His unequaled effulgence and riding with great speed, He will kill by the millions those thieves who have dared dress as kings."

(Bhagavata Purana 12:2:19-20)

ترجمہ: کلکی امیر، کائنات کا حاکم، اپنے سفید گھوڑے دیودت پر سوار ہوکر اپنے ہاتھ میں تلوار پکڑے گا اور ساری دنیا پر اپنی آٹھ عارفانہ دولتوں اور آٹھ خدائی صفات کی نمائش کرے گا۔ اپنی لاثانی آب و تاب کی دھاک بٹھاتے ہوئے اور انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے وہ لاکھوں چوروں کو قتل کر دے گا جنہوں نے شاہوں کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو گا۔"

غیر سامی مذاہب میں ''مسیحائی'' پہلو کی موجودگی کی یہ کہانی صرف ہندومت پر ہی ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ بدھ مت اور جین مت بھی اُن ہندوستانی مذاہب میں شامل ہیں جو اُخروی مسیحا کے بیتابی سے منتظر ہیں۔ مثال کے طور پر بُدھ مت کے پیروکار (بالخصوص مہایان اور وجرایان فرقے) آخری ''بودھی ستوا'' (Bodhisattva) کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ اس بودھی ستوا

کو دوسرے لفظوں میں اچھائی اور دانشمندی کا اوتار اور مہاتما بدھ کی شبیہ کہا جا سکتا ہے۔ بدھ مت کے مطابق ہر عہد میں ایک بودھی ستوا لوگوں کی رہنمائی کے لیے دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم مہاتما بدھ کے بعد اب بس آخری بودھی ستوا ہی آئے گا۔ اس بودھی ستوا کو جو نام دیا جاتا ہے، وہ سنسکرت کا لفظ ''مائیتریا'' (Maitreya) ہے، جس کا معنی ہے ''محبوب دوست''۔ بدھ مت کے مذہبی ادب کی کتب ''امیتابھ سوتر'' اور ''لوٹس سوتر'' میں مائیتریا کو ''اجیت بودھی ستوا'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔ بدھ مت میں مائیتریا کا تصور مطلق اچھائی (Absolute Good) کی نمائندگی کرتا ہے۔ بدھ عقیدہ کے مطابق بودھی ستوا کے ظہور کے ساتھ ہی دنیا بھر میں اچھائی پھیل جائے گی اور بدی نام کی کسی چیز کا شائبہ تک نہ ہوگا۔ اور یوں دنیا خوشی وسکون سے مالا مال ایک ''مثالی مقام'' میں ہمیشہ کے لیے تبدیل ہو جائے گی۔ مزید برآں، بدھ مت کے ساتھ ساتھ جین مت کے ماننے والے بھی اپنے مذہب کے بانی ''مہاویر سوامی'' (Mahavira Swami 599-527BC) کی تعلیمات کے مطابق آخری ''عظیم روحانی پیشوا'' جسے سنسکرت میں ''تیرتھنکر'' (Tirthankar) کہا جاتا ہے، کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں، تا کہ اُس کے آنے کے ساتھ ہی جین مت کے پیروکاروں کی محرومیوں کا ازالہ ہو سکے اور جین مت ایک علاقائی فکر سے عالمگیر تحریک بن کر دنیا پر چھا جائے۔ تیرتھنکر کا لقب سنسکرت کے دو الفاظ کا مجموعہ ہے، جس کا مطلب ہے ''پُرآشوب دریا میں راستہ بنانے والا''۔ اس نام کی استعاراتی تشریح ہمیشہ سے یہی کی جاتی رہی ہے کہ اگلا تیرتھنکر مشکلات میں

گھرے جین مت کے پیروؤں کو رنج والم سے نجات دلائے گا، کیونکہ یہاں پرُ آشوب دریا سے مراد مشکلات ہیں اور راستہ بنانے سے مراد نجات دلانا۔ علاوہ ازیں، یہ بات بھی حیرت سے ہرگز خالی نہ ہوگی کہ آخری جین پیشوا کی آمد کے بارے میں جو زمانی اوقات کار مہاویر کی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اُس کے مطابق آخری تیر تھنکر کی آمد لگ بھگ بہت قریب ہے۔ مہاویر کی تعلیمات کے مطابق وہ خود چوبیسواں تیر تھنکر تھا اور اُس کی وفات کے چوبیس سو (2400) سال بعد آخری تیر تھنکر ظاہر ہوگا، جو دنیا کو ہمیشہ کے لیے برائی سے پاک کردے گا۔ اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ مہاویر کی وفات آج سے ساڑھے چوبیس سو سال قبل پانچویں صدی قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ اس تناظر میں ہم اگر ہندوستانی مذاہب، جن کو "Vedic Religions" کہا جاتا ہے، کا نفسیاتی تجزیہ (Psycho-Analysis) کریں تو ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ تمام مذاہب دنیا کے خاتمے، اچھائی کے غلبے، بدی کے مغلوب ہونے اور ایک اُخروی عالمگیر شخصیت کے ظہور پذیر ہونے پر متفق ہیں۔ اصول تاریخ اور اصولِ عمرانیات کی روشنی میں ہم ایسے تمام مذاہب کو جو کہ مسیحائی عقائد پر کھڑے ہیں اور حالات کی بہتری کے لیے کسی کرشماتی شخصیت کے منتظر ہیں ''آئیڈیلزم'' کے سراب کا شکار کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سراب ہے جس کے حقیقت کا روپ دھارنے سے زیادہ اس کی حقیقت سے دوری ہی امید افزاء اور متاثر کن ہے۔

خطہ برصغیر کی عظیم تہذیب ''وادی سندھ کی تہذیب'' سے اگر مغرب کا

رُخ کیا جائے تو ملحقہ سرزمین اور ہند آریائی (Indo-Aryan) لوگوں کے دیس ایران سے بھی ایک قدیم تہذیب اور انتہائی ترقی یافتہ مذہب کے آثار جگہ جگہ ملتے ہیں۔ قدیم فارس کی مقدس دستاویز ''زنداِوستا'' (Zend Avesta) کو اُٹھا کر دیکھنے پر معلوم ہو گا کہ اہلِ فارس کے قدیم مذہب ''زرتشت مت'' (Zoroastrianism) میں بھی ''تصورِ مہدیت'' کی طرز پر پایا جانے والا عقیدہ موجود تھا۔ زرتشت مت کے پیروکار جنہیں بعد میں ''پارسی'' کہا گیا بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ''یزداں'' کی طرف سے قربِ قیامت کے دِنوں میں ایک ایسا انسان دُنیا میں بھیجا جائے گا جو ''مطلق اچھائی'' (Absolute Good) کا علمبردار ہو گا۔ اس خدائی علمبردار کو ''سوشیانت'' (Saoshyant) کہا جاتا ہے، جو قدیم پہلوی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ''اچھی تبدیلی لانے والا''۔ ''زند اوستا'' کے اندر اس مسیحائی ہستی کو ''اچھائی کا اوتار'' اور ''اریامن'' (Airyaman) بمعنی ''ملت کا رُکن'' کہا گیا ہے[2] اسی طرح بعد میں لکھی جانے والی کچھ مقدس دستاویزات میں سوشیانت کے تصور کی وضاحت اور سوشیانت کی بطور کرشماتی شخصیت ابتدائی زندگی بیان کی گئی ہے[3] اسی پارسی عقیدہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں دجال کی طرز پر ماورائی قوتوں کے حامل ''مطلق برائی'' (Absolute Evil) کے نمائندے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ نمائندہ دنیا میں برائی کے ساتھ ساتھ تباہی و بربادی پھیلانے کا ذمہ دار ہو گا۔ برائی کی قوت کو مجموعی طور پر ''دائیوا'' (Daeva) کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے، اور اس سے مراد شیطانی دیوتا لیا جاتا ہے[4] دائیوا گروہ

کے ساتھ حتمی لڑائی سوشیانت مسیحا ''خدائے آہورامزدہ'' (Ahura Mazda) کی مدد سے جیت کر کبھی ختم نہ ہونے والا امن قائم کر دے گا۔ اس مرحلہ کے بخوبی سرانجام دے لینے کے بعد وہ مردوں کو زندہ کرے گا اور سچ کو لافانی کر دے گا۔ پس اس کے بعد ابدیت ہوگی، اور ایرانی پیامبر زرتشت کے سچے پیروکار ہمیشہ کے لیے جنت میں رہیں گے۔

اس بات میں جائے بغیر کہ قدیم فارسی مذہب نے بعد میں سرزمین ِ ایران پر پہنچنے والی اسلامی فکر پر کیا اثرات چھوڑے، یہ کہنا بے حد موزوں اور برمحل ہوگا کہ ایران، ہندوستان اور یونان وہ قدیم تمدن ہیں جہاں کوئی بھی مذہبی فکر مسیحائی تصورات کو یکسر نظر انداز کر کے یا خود کو مسیحائی و مافوق الفطری سانچے میں ڈھالے بغیر پروان چڑھ ہی نہیں سکتی۔

دیگر مذاہب کے طائرانہ جائزہ کے بعد اب ہم اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اسلام کی طرف آتے ہیں اور یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ موجودہ اسلامی دینیات میں قیامت کا کون سا تصور غالب نظر آتا ہے۔ یہاں پر ہمارے استدلال کا اسلوب تحقیقی ہوگا اور ہم آج کے تصورِ قیامت کی ہیئت، ماخذ اور تعبیر پر ایک غیر جانبدارانہ جائزہ پیش کریں گے۔ تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ قرآن و حدیث میں قیامت اور اُخروی حالات کا جو منظر پیش کیا گیا ہے، اُس میں اور عصر حاضر کے تصورِ قیامت میں کس قدر مماثلت موجود ہے۔ ایک بات جو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، وہ یہ ہے کہ موجودہ دینیاتی فکر میں تصورِ قیامت اور تصورِ مہدیت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ دوسرے

لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ رائج الوقت معروف عقیدے کے مطابق امام مہدی کا ظہور دنیا ومافیہا کے تابوت میں آخری کیل اور مراحلِ قیامت کے ابتداء کی پہلی کڑی ہو گی۔ تاہم ابھی ''اُخروی مسیحائی ہستی'' (Messianic Personage) پر مبنی اس تصور کو مزید کھنگالنے کی بجائے صحیح احادیث میں روایت کردہ علاماتِ قیامت اور قربِ قیامت کے حالات و واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالنا زیادہ سودمند رہے گا۔

حوالہ جات

1. *Dowson, John, A Classical Dictionary of Hindu Mythology and Religion, New Delhi, 2004, page 40, art. "Avatara"*
2. *Yasna 48:12, 61:5* (کتاب یسنا)
3. *Denkard 7:10:15ff*
4. *Yasna 32:3-5*

باب۲

اِسلام اور تصورِ قیامت

Islam and Doomsday Conception

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''ساعت قریب آن پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔''

(سورۃ القمر، ۵۴:۱)

''سورۃ القمر'' مکی سورت ہے اور کئی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں ہی دو عظیم واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلا واقعہ ''شق القمر'' کا ہے، جو رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے مکی دور میں پیش آیا۔ قرآنی اندازِ تخاطب کو دیکھتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ شق القمر کا واقعہ قرآنی پیراڈائم (Paradigm) میں خاص اہمیت کا حامل ہے اور اسے واقعات کے ایک حتمی دور کی ابتداء کے نشان کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ عصر حاضر کے معروف مصنف ہارون یحییٰ نے شق القمر سے مراد ''کھودنا'' لیا ہے اور یہ نقطۂ نظر اپنایا ہے کہ شق القمر کا واقعہ جولائی 1969ء کو انسان کے چاند پر اُترنے کے وقت پیش آیا، جب امریکی خلا بازوں نے چاند کی سطح کو کھودا اور مٹی کے کچھ نمونے اکٹھے کیے[1]۔ یہ سائنسی سطح پر قرآنِ مجید کے ایک اور معجزانہ انکشاف کی

انتہائی عمدہ دلیل ہے، جس کی طرف ہارون یحیٰ جیسے معروف مصنف نے اشارہ کیا ہے۔

جو دوسرا واقعہ اس آیت میں مذکور و مرکوز ہے، وہ ''قیامت'' کا وقوع پذیر ہونا ہے۔ آسان لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی تاریخ کے اس حتمی دور، جس کی ابتداء شق القمر سے ہوئی، کی انتہا ''ساعت'' نامی مرحلے پر ہوگی۔ قرآنی زبان اور طرزِ تخاطب سے واقف لوگوں کو یقیناً اس بات کا علم ہوگا کہ قرآنِ مجید میں ساعت سے مراد ''قیامت'' ہے۔ اور یوں ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آج ہم جس عہد میں جی رہے ہیں، وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق انسان کی زمینی تاریخ کا آخری مرحلہ ہے اور اس کے اختتام پر جو کہ کسی بھی لمحے رُونما ہو سکتا ہے، قیامت کے دل دہلا دینے والے سلسلہ وار واقعات کی ابتدا ہو جائے گی۔

اب ہم ایک نظر قیامت کی ہیئت پر ڈالتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں قیامت کے ظہور کا اطلاق کس پیمانے (Magnitude) پر بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر متشکک ذہنوں میں یہ سوال ضرور اُبھرے گا کہ قیامت آیا کہ محض زمین پر واقع ہوگی، نظام شمسی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے گی یا پھر پوری کائنات پر قیامت کی وقوع پذیری کا اطلاق ہوگا؟ اس کی بجائے کہ ہم ان سوالات کے جواب میں خود ساختہ تاویلات پیش کریں، بہتر ہوگا کہ قرآن مجید کی قیامت کے متعلق پیش کردہ سب سے جامع تصویر کو ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رَبّ سے ڈرو! بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس دِن تم اسے دیکھو گے (یہ حال ہوگا) کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی، اور آپ لوگوں کو نشے میں (مدہوش) دیکھیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب (بڑا ہی) شدید ہوگا۔''

(الحج، ۲-۱:۲۲)

ترجمہ: ''جب سورج واپس لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب ستارے بے مدار کر دیئے جائیں گے۔ اور جب پہاڑ ہوا میں (گرد کی مانند) اُڑا دیئے جائیں گے۔ اور جب حاملہ اونٹنیاں بے مہار پھریں گی۔ اور جب وحشی جانور جمع کر دیئے جائیں گے اور جب سمندر میں اُبال آ جائے گا۔''

(تکویر، ۶-۱:۸۱)

کثیر جہتی مطالعہ رکھنے والے قارئین اس بات سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ ان چھ آیات میں مذکور موضوعات چھ مختلف شعبہ ہائے علم (Science) سے تعلق رکھتے ہیں۔ سورج اور ستاروں کا مطالعہ ''علم طبیعات'' (Physics) اور ''علم فلکیات'' (Astronomy) کا موضوع ہے۔ پہاڑی سلسلے ''علم ارضیات'' (Geology) کے زیر مطالعہ آتے ہیں۔ مزید برآں

جانوروں کا مطالعہ ''علم حیوانات'' (Zoology) کے تحت کیا جاتا ہے۔ جبکہ سمندری مطالعہ کے علم کو ''علم بحر'' (Oceanography) کہتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ تصورِ قیامت کا اطلاق کسی محدود پیمانے کی بجائے کل کائنات (Universe) پر ہوتا ہے۔ عرفِ عام میں اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کہکشاؤں کے دور افتادہ مداروں سے لے کر زمین پر رینگنے والے چھوٹے چھوٹے حشرات تک ایک ہی وقت میں طاری کر دی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں کائنات کی ہر چیز کو اُس دن موت دے دی جائیگی۔ کائنات کی اس مطلق تباہی کو قرآنی زبان میں ''قیامت'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت سورۂ مومن کی آیت 59 سے بھی کی جا سکتی ہے۔ جہاں قیامت کو آسمانوں اور زمین پر اچانک واقع ہونے والا ''بھاری حادثہ'' قرار دیا گیا ہے۔ مزید برآں صحیح بخاری میں موجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث واقعاتِ قیامت کی ہمہ گیریت کے ضمن میں ہماری غیر مبہم راہنمائی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ''قیامت کے وقت سورج اور چاند دونوں اپنی روشنی کھو دیں گے۔''

(بخاری شریف)

اکثر علماء کے نزدیک اس حدیث میں سورج اور چاند کے ٹکرانے کے بیان سے مراد اجرامِ فلکی کا باہم ٹکرا جانا اور کششِ ثقل کھو دینا ہے۔ اس امر کو

مذکورہ بالا حدیث میں ''مکوران'' کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، جس کے معنی ''حرارت کھودینا'' کے بھی ہیں۔

اسی طرح ایک جانور کا ظہور بھی قیامت کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اس کا ذکر قرآنِ مجید کی سورۂ نمل میں کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جب ان پر (ہمارا) قول واقع (ہونے کو) ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، وہ ان سے کلام کرے گا کہ بے شک یہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔''

(سورۃ النمل، ۲۷:۸۲)

یہاں جانور کا تذکرہ استعاراتی انداز میں کیا گیا ہے، کیونکہ کسی جانور کا انسانوں کی طرح سمجھداری سے بولنا خلافِ فطرت ہے۔ اسی طرح ''ایک جانور'' سے مراد ایک ہی قبیل کی بہت سی چیزیں بھی ہوسکتی ہیں۔ اس جانور کے بیان کردہ اوصاف دورِ حاضر کی سیٹلائٹ اور موبائل فون ٹیکنالوجی پر بڑی حد تک صادق آتے ہیں۔ موبائل فون آج کے دور میں ہر انسان سے باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے، جبکہ اس کے سگنل ٹاور زمین سے سر نکالے بلندیوں کی طرف جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات انٹرنیٹ پر بھی صادق آتی ہے، جس کی کیبل سطحِ زمین کے اندر اور زیرِ آب ایک ملک سے دوسرے ملک کو جوڑے ہوئے ہے۔ آج کا سیٹلائٹ نظام اِنہیں نشانیوں کا ایک ایسا جال ہے، جس کا

انکار چاہتے ہوئے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشبہ راقم الحروف کی طرف سے پیش کردہ یہ تشریح حتمی نہیں اور اس معاملہ پر مزید تحقیق کی گنجائش موجود ہے۔

قرآن مجید میں ماضی میں غضبِ الٰہی کا شکار ہو کر تباہ ہونے والی کچھ قوموں کے واقعات بھی ملتے ہیں، جن سے ہمیں قیامت کی ہیئت اور ہیبت کا اندازہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے!

ترجمہ: ''اور وہ بستیاں جنہوں نے ظلم کیا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے اُنکی تباہی کیلئے ایک وقت متعین کر رکھا تھا۔''

(سورۃ الکہف، ۱۸:۵۹)

آیتِ مذکورہ بالا میں ایک نکتہ جو ہماری توجہ کا مستحق ہے، وہ اللہ ربّ العزت کی طرف سے بستیوں کی تباہی کا وقت بہت پہلے مقرر کر دیا جانا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تباہی کا مقررہ وقت کسی بھی صورت ٹلنے والا نہیں اور جو ''ساعت'' مقرر کی جا چکی ہے، اسے کوئی قوت بدل نہیں سکتی۔ یہاں پر ایک اور آیت کا تذکرہ موضوع کی نسبت بہت موزوں رہے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''جب اُن کا وقتِ معیّن آ جائے گا، تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہیں گے اور نہ ہی آگے بڑھیں گے۔''

(سورۃ النحل، ۱۶:۶۱)

قیامت کا اعلان کب اور کیسے ہوگا؟ کس حادثہ سے واقعاتِ قیامت

کی ابتداء ہو گی؟ یقیناً یہ بڑے ہی گنجلک سوالات ہیں۔ تاہم قرآن مجید اس معاملے پر بھی خاموش نہیں اور بڑے ہی جامع انداز میں ان سوالات کا جواب دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''وہ (انسان) پوچھتا ہے یومِ قیامت کب ہے؟ چنانچہ جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی اور چاند گہنا جائے گا اور جمع کر دیئے جائیں گے سورج اور چاند''

(سورۃ القیامۃ، ۹-۶:۷۵)

ترجمہ: ''اور جب آواز چھوڑی جائے گی، تو جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب بے زندگی کر دیئے جائیں گے۔''

(سورۃ الزمر، ۶۸:۳۹)

اسلام کے ظہور سے آج تک ہر زمانے میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں، جو کسی نہ کسی انداز سے قیامت کا انکار کرتے آئے ہیں۔ چونکہ کفارِ مکہ بھی اسی روش پر چلتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے قیامت کے بارے میں شکوک وشبہات پر کاری ضرب لگاتے ہوئے سورۂ حج میں وعدہ فرمایا:

ترجمہ: ''اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی۔ (اُس کے آنے میں) کسی قسم کا شک نہیں اور اللہ ضرور اٹھائے گا، اُن کو جو قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔''

(سورۃ الحج، ۷:۲۲)

اسی طرح کی ایک وعید سورۂ انعام میں بھی دی گئی ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ ایمان کی قبولیت کے وقت کی بھی ایک حد مقرر ہے۔

ترجمہ: ''جس دن آپ (ﷺ) کے ربّ کی بعض نشانیاں آ پہنچیں گی (تو اُس وقت) کسی شخص کا ایمان اُسے فائدہ نہیں پہنچائے گا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا، یا اُس نے اپنے ایمان (کی حالت) میں کوئی نیک عمل نہ کیا تھا۔ آپ (ﷺ) فرما دیجئے: تم انتظار کرو۔ ہم (بھی اُس نشانی کے) منتظر ہیں۔''

(سورۃ الانعام ۶:۱۵۸)

ان آیات کے نزول سے نہ صرف کفارِ مکہ کے منہ بند ہو گئے، بلکہ قیامت کے موضوع پر ایک ایسا قرآنی مؤقف بھی سامنے آیا، جو ہر منکرِ قیامت کیلئے قیامت کے حتمی ہونے کا وعدہ قرار پایا۔ لیکن یہ موقف وعدہ کے ساتھ ساتھ ایک ایسی قرآنی دلیل بھی ہے جو ہر منکرِ قیامت کو دوبارہ زندہ کر کے خدا کے حضور جوابدہ ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔

ترجمہ: ''اور وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ تو آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ کچھ عجب نہیں کہ (قیامت کی گھڑی) قریب ہی آن پہنچی ہو۔''

(سورۂ بنی اسرائیل، ۵۱:۱۷)

اب کچھ گفتگو قیامت کے لسانی پہلو کے حوالے سے بھی کرتے

چلیں۔ ''قیامت'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں ''قائم کرنا، کھڑا کرنا، زندگی لوٹانا، روک دینا''۔ اس لحاظ سے ہم قیامت کو دو معنوں میں سمجھ سکتے ہیں۔ پہلا مفہوم ایک ایسی تباہی کا ہے جو کائنات پر طاری کر دی جائے گی اور دوسرا مردوں کا قبروں سے زندہ اُٹھایا جانا۔

ہم اپنے موضوع کے اعتبار سے خود کو لفظِ قیامت کے پہلے معنی یعنی ''کائنات کی مکمل تباہی'' تک محدود رکھیں گے۔ اس بات کی وضاحت تو قرآن مجید سے کی جا چکی ہے کہ قیامت کی ہیئت اور تباہی کا پیمانہ کیا ہوگا۔ اب ہم اسلامی نقطۂ نظر سے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اسلام نے قیامت کیلئے کون سا وقت سب سے موزوں قرار دیا ہے۔ مزید برآں اگر ہم اس ''ساعت قریب'' کی مزید وضاحت حاصل کرنا چاہیں تو ہمیں احادیثِ نبویہ ﷺ میں دیئے گئے قیامت کے ٹائم فریم پر غور کرنا ہوگا۔ کیونکہ احادیثِ نبویہ ﷺ میں قیامت، اس کی علامات، اوقات اور اطلاق کے بارے میں پیشگوئیوں کا ایک ضخیم مجموعہ موجود ہے۔ یہ بات بڑی حد تک یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ قیامت سے متعلق احادیث کا اگر نظامیاتی (Systematic) اور سائنسی (Scientific) مطالعہ کیا جائے تو ہم قیامت کے ظہور کے وقت کا تعین بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ نظامیاتی سائنسی مطالعہ درحقیقت ''کثیر جہتی تحقیق'' کا نام ہے، جس میں امکانات پر مبنی ہر نکتہ کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

اسلام نے قیامت کا جو تصور حدیث میں پیش کیا ہے، اُس میں ظہورِ قیامت کو تین طرح کے واقعات سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ ان تین طرح کے

واقعات کو ہم دینیاتی اصطلاح میں مندرجہ ذیل نام دیتے ہیں۔

۱۔ علاماتِ صغریٰ

۲۔ علاماتِ کبریٰ

۳۔ علاماتِ بعیدہ[2]

یہاں پر اس امر کی وضاحت کرنا لازم ہوگا کہ ان واقعات کا پورا ہونا قیامت کے موضوع پر جمع کردہ ذخیرۂ احادیث کی سند اور صحت کی ثقاہت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔ تاہم ایسی احادیث جن میں موجود پیشگوئیوں کا پورا ہونا ابھی باقی ہے، ہم اُن کی صحت پر استدلال ماضی میں سچ ثابت شدہ احادیث سے مطابقت کے تحت کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ایسی خبریں جو اسلام کے قیامت کے موضوع پر عمومی مزاج سے متصادم ہوں، قرآنِ مجید کے مؤقف سے اختلاف رکھتی ہوں یا جن میں سائنسی اور تاریخی اغلاط موجود ہوں، ایسی خبروں پر مزید بحث کی گنجائش موجود ہے۔

اب ہم واپس علامات کے موضوع کی طرف چلتے ہیں اور قیامت کے واقع ہونے کی سب سے بڑی علامت کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت اور اسلام کا دنیا بھر میں پھیل جانا از خود قیامت کی سب سے بڑی نشانیاں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل قیامت کا آنا قطعی طور پر ناممکن تھا، کیونکہ انسانیت میں اُس ہستی کے ظہور جس کی آمد کا وعدہ ہر نبی نے کیا تھا، منہاجِ نبوت کے اپنی انتہا پر پہنچنے اور انسانیت کی حتمی فکری رہنمائی کے بغیر قربِ قیامت کے دور کا آغاز نہیں ہوسکتا تھا۔ تاہم آپ ﷺ کے مبعوث

کر دیے جانے کے بعد قیامت کی کسی بھی لمحے رونما ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس امر سے جو چیز واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعثتِ محمدی ﷺ کے بعد سے انسان قربِ قیامت (End Times) کے دَور میں رہتا آ رہا ہے اور اب جونہی باقی علاماتِ قیامت پوری ہو جائیں گی، قیامت وقوع پذیر ہو جائے گی۔ تاہم ان معلومات کو حتمی شکل دینے کیلئے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ تمام علامات تاریخ کی مکمل روشنی میں ظہور پذیر ہوں جو احادیثِ نبویہ ﷺ میں بطورِ علامات درج ہیں۔ آج کے سائنسی دور میں ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں رونما ہونے والی ہر غیر معمولی تبدیلی کو عالمگیر سطح پر دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا آج کوئی بھی واقعہ ایسا نہیں رہا جس کی حقانیت اور صداقت کے بارے میں جدید دَور کا انسان حتمی رائے قائم کرنے کے قابل نہ رہا ہو۔

احادیثِ نبویہ ﷺ میں بڑے خوبصورت پیرائے میں ایک خاص ترتیب کے تحت علاماتِ قیامت کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم بھی موجودہ بحث میں اس ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے اور پہلے پوری ہو چکی علامات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے قارئین کو منطقی نتائج کی طرف لے جائیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''علاماتِ قیامت یوں وقوع پذیر ہوں گی جیسے تسبیح کے دانے تسبیح ٹوٹ جانے سے قطار میں گرتے چلے جاتے ہیں۔''

(ترمذی)

اگر صرف مندرجہ بالا حدیث کو ہی تحقیقی نگاہ سے پرکھ لیا جائے تو جو تشریحات سامنے آتی ہیں، وہ یہ یقین دلانے کیلئے کافی ہیں کہ قربِ قیامت کا دور اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔ گزشتہ صدی سے یہ بات انسانی ریکارڈ میں ہے کہ آسمانی وقدرتی آفات، انسانی جنگ وجدل، حادثات اور لادینیت، نہ صرف اپنے عروج پر پہنچ چکے ہیں، بلکہ یہ سب واقعات تسبیح کے دانوں کی طرح پے در پے رونما ہوتے جا رہے ہیں۔

"قیامت اُس وقت تک واقع نہ ہو گی۔ جب تک تواتر سے زلزلے نہ آنا شروع ہو جائیں۔"

(بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

"قیامت سے پہلے (عالمگیر نوعیت کے) دو عظیم واقعات رُونما ہوں گے اور پھر اس کے بعد دس سال تک تواتر سے زلزلے آتے رہیں گے۔"

(بخاری)

گزشتہ صدی سے زلزلوں میں مرنے والے لوگوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں اکتوبر 2005ء میں آنے والے زلزلے میں ایک لاکھ سے زائد لوگ لقمۂ اجل بنے[3]۔ حالیہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں سالانہ چودہ ہزار (14000) کے لگ بھگ چھوٹے بڑے زلزلے آتے ہیں۔

ایک اور بات جو مؤخرالذکر حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ قیامت سے پہلے دو عظیم واقعات کا رونما ہونا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ دو عظیم واقعات ستمبر 2001ء میں ''ورلڈ ٹریڈ سنٹر'' (نیویارک) اور ''پنٹا گون ہیڈ کوارٹرز'' (واشنگٹن) پر کیے گئے وہ حملے ہیں، جن کے عالمگیر اثرات نے ساری دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ اگر ہم اس سارے عمل کو ایک ہی واقعہ سمجھنے پر اکتفا کریں اور دوسرے عالمگیر نوعیت کے واقعہ کو الگ سے تلاش کرنا شروع کر دیں تو ہمیں اس کے لیے بھی زیادہ تگ ودو نہیں کرنا پڑے گی، کیونکہ 2003ء میں امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کی طرف سے عراق پر کیا گیا حملہ وہ دوسرا بڑا واقعہ ہے جس نے موجودہ دُنیا کے اہداف (Targets) کو بڑی حد تک واضح کر دیا ہے اور دنیا اب دو بلاکوں میں منقسم ہو کر نظریاتی جنگ لڑ رہی ہے۔ مزید برآں 2001ء سے اب تک زلزلوں، سونامیوں اور سمندری طوفانوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور امریکہ سے لے کر نیوزی لینڈ تک کے علاقے ان آفات کی زد میں آ چکے ہیں، جس کے باعث لاکھوں لوگ ہلاک اور بے گھر ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اوپر بیان کیے گئے فرمانِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہمیں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو رہی کہ آج ہم قیامت کا تعیّن سال، مہینے اور دن کی حد تک وضاحت سے کر سکتے ہیں۔ پیچھے پیش کردہ اعداد و شمار اس کتاب میں زیرِ بحث تاریخ 21 دسمبر 2012ء کی بطور یومِ قیامت تصدیق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ 2001ء میں افغانستان پر ہونے والے امریکی حملے کو ''ہرمجدون'' (Armageddon) یعنی حتمی معرکۂ حق و باطل کے سلسلے کی

ابتداء کہا جا سکتا ہے، کیونکہ تب سے آج تک دنیا جو نظریاتی جنگ لڑ رہی ہے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر جو ظلم کی نئی تاریخ لکھی جا رہی ہے، وہ یہ واضح کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ 2001ء کے ٹھیک 10 سال بعد یہ سلسلہ وار واقعات اپنی انتہا پر پہنچ جائیں گے اور یوں دنیا اچانک حادثۂ قیامت سے دوچار ہو جائیگی۔ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کا طائرانہ جائزہ لینے پر بھی معلوم ہو جائے گا کہ 2001ء کے بعد دنیا کا امن وسکون برباد ہو گیا اور ہر گزرنے والا دن دنیا بھر میں خوف و بے چینی میں شدت کا باعث ہی بنا۔

عراق جنگ یا اسکی پیشرو افغانستان جنگ میں سے کسی ایک کو اس لیے بھی ہر مجدون جنگوں کے سلسلے کی ابتدا قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان دونوں جنگوں میں بیشتر مسلمان ملکوں جن میں پاکستان بھی شامل ہے نے ''رومیوں'' یعنی عیسائی مغربی اتحاد کا ساتھ دیا۔ اس وفا داری پر پاکستان کو Major Non-NATO Ally (MNNA) کا تمغہ 2004ء میں عطا کیا گیا جس پر ہماری غیرت مند قوم ہر گز فخر نہیں کر سکتی۔ لہٰذا آج کے معروضی حالات کو دیکھتے ہوئے جو بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے، وہ یہی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ حالات ہمیں بڑی تیزی سے قیامت کی طرف لے جا رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور جگہ فرمایا:

''قیامت نہیں آئے گی، جب تک جنگ و جدل بہت بڑھ نہ جائے۔''

(متفق علیہ)

عصرِ حاضر کا ہر وہ شخص جو حالاتِ حاضرہ سے ذرا سا بھی واقف ہے جانتا ہے کہ یہ حدیث اپنے معنی و مفہوم میں 100% پوری ہو چکی ہے۔ بے شک آج کے انسان نے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کا گلہ کاٹنے کا ایسا انتظام کر لیا ہے، جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ پچھلی صدی کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی کہ آج کی جنگوں میں قتل و غارت گری ماضی کے مقابلے میں کئی ہزار گنا بڑھ چکی ہے۔ یورپ میں جب ''مشین گن'' (Fully Automatic Machine Gun) کی ایجاد ہوئی تو کچھ معاصر مبصرین کی طرف سے یہ معروف فقرا کسا گیا:

> ''اہلِ یورپ عرصۂ دراز سے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کیلئے کسی ایسے ہتھیار کی تلاش میں تھے، جو تیزی سے اپنا کام سرانجام دے اور انہیں یہ ہتھیار مشین گن کی صورت میں دستیاب ہو گیا ہے۔''

پہلی جنگِ عظیم (World War I) میں تین کروڑ انسان اپنے ہی بھائیوں کی بربریت کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن گئے۔ اپنی ہولناکی کی وجہ سے پہلی جنگِ عظیم عرصۂ دراز تک ایسی جنگ سمجھی جاتی رہی، جس کے لڑے جا چکنے کے بعد انسان مزید کوئی جنگ لڑنے کا متحمل نہیں رہا تھا۔ اسی لیے سیاسی و جنگی مبصرین نے جنگِ عظیم اوّل کے بارے میں ایک خاص فقرہ استعمال کیا۔

"A war to end all wars."

(ایک ایسی جنگ جس نے مستقبل کی سب جنگوں کا راستہ بند کر دیا۔)

تاہم بیسویں صدی کی یہ توقع عبث ثابت ہوئی اور انسان کی جنگی فطرت نے محض 20 سال کے بعد ہی دنیا کو دوسری عالمگیر جنگ میں دھکیل دیا۔ دوسری جنگِ عظیم (World War II) میں کل ملا کر 7 کروڑ جانیں ضائع ہوئیں۔ اس جنگ کی خاص بات نیوکلیائی ہتھیاروں کا استعمال تھا، جو کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی طرف سے جاپان کے خلاف استعمال کیے گئے۔ 5 اگست 1945ء کو پہلا ایٹم بم ہیروشیما اور 9 اگست کو دوسرا ایٹم بم ناگاساکی پر گرایا گیا۔ اس کے باعث جہاں ایک طرف یہ دونوں شہر ملیا میٹ ہو گئے، وہیں دوسری طرف وہ علاقے جہاں جہاں تک ایٹم بم کے اثرات پہنچے تھے آج تک ٹھیک طرح سے انسانی رہائش کے قابل نہیں بنائے جاسکے۔ عظیم شہروں کی یہ ناقابلِ تلافی تباہی ایک حدیثِ نبوی ﷺ کی سو فیصد تعبیر ہے، جس میں فرمایا گیا (درحقیقت پیشین گوئی کی گئی) کہ "بڑے بڑے شہر پوری طرح تباہ کر دیئے جائیں گے، جیسے اُن کا وجود تک نہ تھا"[4]۔

ایک اور حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے قائم ہونے کے نزدیک حرج بہت بڑھ جائے گا اور (پھر فرمایا کہ) حرج قتل و غارت گری کا نام ہے۔"

(بخاری)

بجائے اس کے کہ موجودہ موضوع پر مزید تفصیل میں جایا جائے، ہم قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ میڈیا کی مدد سے اپنے اردگرد کے حالات کا

جائزہ لیں۔ اخبارات کا مطالعہ کر کے اور نیوز چینلز کو دیکھ کر بڑی آسانی سے یہ جانا جا سکتا ہے کہ بم دھماکوں، قاتلانہ حملوں، باہمی تصادم، سرحدی جھڑپوں، علیحدگی پسند تنظیموں کی کارروائیوں اور ان ہی جیسے مزید واقعات میں ہر روز کتنے لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

ایسے معروضی حالات میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حالات ہمیں کس طرف لے جا رہے ہیں؟ کیا قارئین کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا احادیث میں موجود پیشگوئیوں کے پورا ہو چکے ہونے میں اب بھی کوئی شائبہ باقی ہے؟

احادیثِ نبویہ ﷺ میں موجود دوسرا نکتہ جو متفرق علاماتِ قیامت میں سے ایک اہم علامت ہے، اخلاقی انحطاط کا آخری حدوں پر چلے جانا ہے۔ بخاری شریف میں یہ فرمانِ نبوی ﷺ مذکور ہے کہ ''قربِ قیامت میں ناجائز جنسی جفتی سرِ عام اور بکثرت ہوا کرے گی۔''

مزید برآں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

''قربِ قیامت میں مرد عورتوں کے انداز اپنائیں گے اور عورتیں مردوں کے انداز۔''

(دُرِ منثور)

یہاں انتہائی دلچسپ امر یہ ہے کہ بالکل یہی پیشگوئی قدیم انگلستان کے ایک معروف کاہن ''مرلن'' (Merlin) نے بھی کی تھی۔ جس کا حوالہ ماہرینِ آثارِ قیامت بار بار دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے

کہ تقریباً سبھی ثقافتوں اور مذاہب کے لوگ عورتوں اور مردوں کے ایک دوسرے کی پیروی کرنے کے عمل کو قربِ قیامت کے آثار میں سے ایک گردانتے ہیں۔ آج کا عالمگیر کلچر اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ مرد ہیجڑا پن اور لمبے بالوں کی صورت میں اور عورت چھوٹے بالوں اور مردانہ لباس کی صورت میں ایک دوسرے کی نقالی کر رہے ہیں۔

قیامت کی علامات کے سلسلے میں ایک اور ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"لوگ کثرت سے ہم جنس پرستی کی بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

(کنزالعمال)

ہم جنس پرستی (Homosexuality) جس کی مردانہ شکل کو "لواطت" (Sodomy) اور زنانہ شکل کو "مادہ ہم جنسیت" (Sapphism / Lesbianism) کہتے ہیں، کو ہر مذہب نے مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اسلام نے شرک کی طرح اس معاملے پر بھی "نو کمپرومائز" (No Compromise) والا رویہ رکھا ہے اور ہم جنس پرستی کو اللہ سے کھلی بغاوت اور اُس کی لعنت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی شریعت نے ہم جنس پرستی کے مرتکب افراد کیلئے شدید سے شدید تر سزائیں مقرر کر رکھی ہیں اور آج بھی سعودی عرب، ایران اور افغانستان ایسے مسلمان ممالک ہیں جہاں ہم جنس پرستی کی سزا موت ہے۔ تاہم جو بات باعثِ فکر ہے وہ یہ ہے کہ مذہب اور اخلاقیات کی طرف سے اس قدر شدید مخالفت کے باوجود عصرِ حاضر میں ہم جنس پرستی کے رجحان کی جو عالمگیر لہر

مرد وزن دونوں میں دیکھی گئی ہے، وہ خوفناک حد تک نا قابلِ یقین ہے۔ ساری دُنیا میں LGBT (Lesbian, Gay, Bisexual & Transgender Rights) کیلئے جو تحریکیں سرگرم ہیں اُن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ مزید برآں ''ہم جنس شادی'' (Homosexual Marriage) ہم جنس پرستی کی ایک جدید شکل ہے جسے قانونی قرار دیئے جانے کے حوالے سے ساری دنیا میں بحثیں چل رہی ہیں۔ یہ امر حیران کن ہے کہ 2001ء میں جبکہ ابھی امریکہ جیسے ملک میں ہم جنس شادی کی شدید مخالفت ہو رہی تھی، ہالینڈ نے اس کو سرکاری سطح پر اپنانے اور آئین کا حصہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ 2001ء سے اب تک بیلجیئم (Belgium) کینیڈا، ناروے، سویڈن، سپین اور امریکہ کی کچھ اندرونی ریاستوں نے ہم جنس شادی کو انسان کے پیدائشی اور آئینی حقوق کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے اس کی عام اجازت دے دی ہے۔ اس کے علاوہ نیپال، یوراگوئے، آئس لینڈ، لکسمبرگ، پرتگال، ارجنٹائن، سلووینیا اور وینزویلا ایسے دیگر ممالک ہیں، جہاں ہم جنس شادی اور ہم جنس پرستی کی دوسری شکلوں کو جائز قرار دینے کیلئے پارلیمانوں میں قانونی بحث وتمحیص جاری ہے۔

اس ساری اخلاقی انحطاط پر مبنی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے کیا اب بھی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا احادیث میں بیان کردہ علامات کے ظہور میں ابھی کچھ وقت باقی ہے؟ اخلاقی پسماندگی کی یہ انتہا آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کا مجموعی رجحان ہم جنس پرستی کی طرف یوں کبھی

نہیں ہوا۔ اسی طرح سرِ عام جنسی اختلاط آج ناسور کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ یورپ کی ننگ دھڑنگ ثقافت حوا کی بیٹیوں کی عصمتوں کا سودا بازاروں، چوراہوں، تھیٹروں، سینما گھروں اور ٹی وی چینلز پر کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اخلاق کی اس پستی کو بجائے شرمندگی کے ''وقار کی علامت'' (Status Symbol) سمجھا جاتا ہے۔ مرد وزن اس بات پر بھی فخر محسوس کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ وہ ''بوائے فرینڈ'' اور ''گرل فرینڈ'' جیسی شرمناک نعمتوں سے محروم نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں یورپ و امریکہ میں ایک طرف یہ سب خرافات موجود ہیں، وہیں دوسری طرف ''پورنو'' (Porno) فلموں میں کام کرنا پیسے اور شہرت کے حصول کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اب یہ معاملہ محض یورپ تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس نے تمام اقوامِ عالم کو اپنی لپیٹ میں لے کر دنیا بھر کی نوجوان نسل کے اخلاق تباہ کر دیئے ہیں۔ یقیناً حالات کا سنجیدگی سے جائزہ لینے اور حقیقت کا ادراک رکھنے والے لوگ موجودہ حالات میں قیامت کو مستقبل قریب میں رونما ہونے والا ایک ایسا ناگزیر حادثہ سمجھتے ہیں، جس سے بچنا ناممکن ہے۔

قیامت کے مستقبل قریب میں ظہور کے حوالے سے احادیث میں موجود چند مزید پیشگوئیوں کا تذکرہ اور اُن کے پورے ہونے کے ثبوتوں کا جائزہ موضوع کے اعتبار سے ہرگز دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ ان پیشگوئیوں پر عالمانہ انداز میں کیا جانے والا تبصرہ قارئین کے لیے حتمی نتائج پر پہنچنے میں بے حد مددگار ثابت ہوگا اور وہ انشاء اللہ اس کتاب میں پیش کردہ ہمارے موقف

سے متفق ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں کریں گے۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے علاماتِ قیامت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''قیامت تب تک قائم نہ ہوگی، جب تک لوگ بلند وبالا عمارات بنانے میں مقابلہ بازی شروع نہ کردیں۔''

(بخاری)

''اُس دور میں ناجائز پیدائشوں کی کثرت ہوگی۔''

(کنز العمال)

''قیامت تب واقع ہوگی، جب لوگ ستاروں میں یقین کرنے لگیں اور حکم الٰہی کو نظر انداز کردیں گے۔''

(ہیثمی)

''میری اُمت پر ایک وقت آئے گا، جب لوگ قرآن کی (بکثرت) تلاوت کریں گے۔ لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔''

(بخاری)

''قربِ قیامت میں سال ہا سال تک بے یقینی چھائی رہے گی۔ لوگ (بے یقینی کے عالم میں) ایک جھوٹے پر تو یقین کرلیں گے، لیکن سچے کو دُھتکار دیں گے۔''

(مسند احمد بن حنبل)

''تم مسجدوں کو یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کی طرح سجاؤ گے۔''

(ابوداوَد)

''عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو تیر کی طرح درست کریں گے۔ لیکن اُن کا مقصد قرآن پڑھنے سے دنیا حاصل کرنا ہو گا اور وہ اس کے ذریعے آخرت نہ سنواریں گے۔''

(بیہقی)

''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی شخص بھی یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ اُس نے جو کچھ حاصل کیا وہ حلال طریقے سے آیا یا حرام طریقے سے۔''

(بخاری)

''لوگوں پر ایک ایسا وقت ضرور آئے گا کہ کوئی بھی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو سود کھانے والا نہ ہو۔ اگر وہ سود نہیں بھی کھائے گا تو اُس کو سود کا غبار ضرور پہنچ جائے گا۔''

(مسند احمد بن حنبل۔ ابوداوَد)

مذکورہ بالا حدیث، تہذیب حاضر کے سود پر مبنی بینکاری نظام پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔ عالمگیر سرمایہ دارانہ نظام نے جہاں سود کو روزمرہ کاروباری زندگی کا لازمی حصہ بنا دیا ہے، وہیں اسے منافع کا نام دے کر انتہائی

عام اور آسان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں سرکاری تنخواہوں اور ادائیگیوں سمیت وہ تمام مالی معاملات جو بینکاری نظام کے توسط سے انجام پاتے ہیں، اُن پر بھی اس نظام کی خرابیوں اور قباحتوں کی وجہ سے شرعی عذر آ سکتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ''اُس کو سُود کا غبار ضرور پہنچ جائے گا'' اس قدر واضح اور معنی خیز ہیں کہ آج کے سودی نظام پر ان کے اطلاق کا انکار کرنا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔

رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی ایک اور علامت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''قیامت تب تک قائم نہ ہوگی، جب تک کچھ لوگ اپنی زبانوں کے ذریعے پیٹ نہ بھرنے لگ پڑیں۔''

(مشکوٰۃ شریف)

''یقیناً لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ صرف دینار و درہم (یعنی مال و دولت) ہی نفع دیں گے۔''

(احمد بن حنبل)

''قیامت کی نشانیوں میں ہے کہ عورتیں ایسی لڑکیاں جننے لگیں گی، جو اُن پر حکم چلائیں گی، اور (پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ) تم دیکھو گے کہ ننگے پیر اور ننگے بدن والے تنگ دست اور چرواہے مکانات کی بلندی پر فخر کرنے لگیں گے۔''

(متفق علیہ)

مؤخرالذکر حدیث میں ایک طرف تو ایسی الٹرا ماڈرن لڑکیوں کی طرف اشارہ ہے، جنہیں نام نہاد آزادی کے سراب نے تمام اخلاقی حدود سے آزاد کر کے والدین کا نافرمان اور بدکردار بنا دیا ہے، اور دوسری طرف ایک واضح اشارہ عرب کی ریگستانی زندگی کی طرف ہے۔ صحرائے عرب میں پچاس سال پہلے تک لوگوں کی کثیر تعداد تنگ دستی کی زندگی گزار رہی تھی، جبکہ آبادی کا بڑا حصہ خیموں میں رہا کرتا تھا۔ عربوں کی اکثریت چرواہوں پر مشتمل تھی، کیونکہ وہاں چٹیل پہاڑ اور صحرا ہونے کے باعث زراعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ لہٰذا عربوں کے ہاں مویشی پالنا ہی روزگار کا آسان ترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم تیل کی دریافت اور اس کی عالمگیر سطح پر فروخت نے عرب ممالک، بالخصوص سعودی عرب، دبئی، کویت کو امیر کبیر بنا دیا ہے۔ تیل کی عطا کردہ دولت کی ریل پیل نے ہر شخص کو کاہل اور آرام پرست بنا دیا ہے اور اب وہاں کا مقامی ہر باشندہ ٹھاٹھ باٹھ سے محل نما گھر میں رہائش پذیر ہے، جس کے سامنے تین تین پرتعیش گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ 1960ء کی دہائی سے پہلے عربوں کی اکثریت بدوی زندگی گزار رہی تھی اور وہ جدید طرز تعمیر سے مکمل طور پر ناواقف تھے۔ اُن کیلئے حصولِ رزق کا سب سے بڑا ذریعہ گلہ بانی تھا، جس کے باعث خانہ بدوشی عام تھی۔ لوگ نت نئی چراگاہوں اور چشموں کی تلاش میں رہتے تھے۔ تاہم صنعتی ترقی کے ساتھ ہی جب دنیا بھر میں تیل کی کھپت بہت زیادہ بڑھ گئی تو عربوں پر دولت کے دروازے کھل گئے۔ تب سے ایئر کنڈیشنڈ محلات اور بڑی بڑی گاڑیاں ریگستانی زندگی کا اٹوٹ جزو بن گئیں۔ صحرا کے اندر

سڑکوں کا جال بچھ گیا۔ آسمان کو چھوتی ہوئی عمارات بن گئیں۔ یوں سورج کا جلایا ہوا صحرائے عرب ایک بالکل مختلف دنیا کی تصویر پیش کرنے لگا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایک زمانہ آئے گا جب مختلف گروہ تمہیں (مسلمانوں کو) ختم کرنے کیلئے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے، جیسے کھانا کھانے والے ایک دوسرے کو پیالہ پر دعوت دیتے ہیں۔ یہ سن کر ایک صحابی نے سوال کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم اُس وقت تعداد میں بہت کم ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں! بلکہ تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ لیکن تمہاری مثال گھاس کے اُن تنکوں کی مانند ہوگی جو پانی پر بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور پانی کا ریلا اُن کو جس طرف چاہتا ہے بہا کر لے جاتا ہے اور خدا ضرور تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رُعب نکال دے گا، کیونکہ تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہو جائیگا۔۔۔ اور (فرمایا) وہن دنیا سے محبت اور موت سے خوف کا نام ہے۔''

(ابوداؤد)

راقم الحروف کے ذاتی خیال میں یہ حدیث اس قدر صحیح اور جامع معلومات کی حامل ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کوئی ارشاد نہ بھی فرماتے اور

قربِ قیامت کے حوالے سے محض اسی ایک حدیث پر اکتفا فرما لیتے تو یہ اکیلی حدیث بھی آپ ﷺ کی نبوت کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کیلئے کافی تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ کے ترکی اور سلطنتِ مغلیہ کے ہندوستان میں اٹھارہویں صدی میں بیک وقت زوال کے بعد مسلمان دوبارہ اس قابل کبھی نہیں ہو سکے کہ وہ اہلِ مغرب کے سامنے پوری شان وشوکت سے کھڑے ہوسکیں۔ یورپی ''نشاۃ الثانیہ'' (Renaissance) کا ظہور اگرچہ سولہویں صدی عیسوی میں ہوا، لیکن اس کی جڑیں صلیبی جنگوں کے عہد کے اندر تھیں۔ جبکہ اس کی پختہ مادی شکل انیسویں صدی میں سامنے آئی۔ یورپی تہذیب کے ظہور وارتقاء سے پہلے مسلمان تمام مہذب دنیا کے وارث تھے اور اسلام کا سکہ مشرق ومغرب میں چلتا تھا۔ لیکن پچھلے تین سو سالوں کے دوران ساری کایا ہی پلٹ گئی۔ 1857ء کی جنگِ آزادیٔ ہندوستان میں انگریزوں نے مغلیہ سلطنت کا رسمی خاتمہ بھی کر دیا۔ مسلمان اپنی کثرت اور مقامی حمایت کے باوجود ہار گئے۔ لیکن اس شکست سے زیادہ اچنبھے کی بات یہ ہے کہ اس پوری جنگ کے دوران چار ہزار سے زائد انگریز بیک وقت ہندوستان میں موجود نہیں رہے۔ اسی طرح پہلی جنگِ عظیم (World War I) میں مغربی اتحاد، جس میں برطانیہ اور فرانس معروف ہیں، نے سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا اور اس کے صوبوں کی بندر بانٹ کر کے کچھ اہم علاقوں کو اپنی کالونیوں کا درجہ دے دیا، جبکہ باقی تمام علاقوں کو چھوٹی چھوٹی ''شیخ ریاستوں'' (Sheikhdoms) میں تقسیم کر کے مسلمانوں کو سیاسی طور پر کھوکھلا کر دیا گیا۔

آج کے عالمی اُفق کی صورتحال بھی ہمارے سامنے ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب بیس کروڑ سے زائد ہے اور اس اعتبار سے دنیا کا ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے۔ مزید برآں حالیہ اعداد و شمار کے مطابق اسلام دنیا کا سب سے تیزی سے پھیلتا ہوا دین ہے۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ 2001ء میں افغانستان پر حملے کیلئے امریکہ نے مختلف مشرقی و مغربی ممالک کو اس طرح دعوتِ شرکت دی جیسے کھانے پر بلایا جاتا ہے۔ حملے میں شمولیت کی اس دعوت کو قبول کرنے کے صلے میں اُن ممالک کے خزانے بھر دیئے گئے۔ 56 اسلامی ریاستوں کے کرۂ ارض پر وجود کے باوجود کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ کوئی **"صلیبیت"** کی اس یلغار کے خلاف آواز تک ہی اٹھا سکے۔ ہاں البتہ کئی مسلمان ممالک نے اس حملے کیلئے تمام ممکنہ سہولیات فراہم کیں اور خود خوب پیسہ بٹورا --- یعنی "اُلٹے بانس بریلی کو"

مسلمانوں کی عددی کثرت تمام قدرتی ذرائع اور دنیا کے اہم تجارتی راستوں کے مالک ہونے کے باوجود پانی پر بکھری کاٹھ کباڑ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ تیل کی دولت سے مالا مال عرب ممالک آج برادر اسلامی ممالک فلسطین، افغانستان اور عراق ایران کو بچانے اور کمزور اسلامی ممالک کو مضبوط کرنے کی بجائے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کر رہے ہیں۔ مغرب کی پوری مشینری مسلم ممالک کے تیل پر چل رہی ہے۔ 1991ء کی خلیج کی جنگ لڑی ہی اسلئے گئی تھی کہ کویت اور سعودی عرب کے معدنی تیل کے ذخائر پر قبضہ جما کر آنے والے دس سے پندرہ سالوں کیلئے امریکہ و یورپ کے صنعتی نظام کو

تحفظ فراہم کیا جا سکے۔ عراق جس کے پاس دنیا کے دوسرے سب سے بڑے تیل کے ذخائر ہیں، کو اُس وقت پابندیاں لگا کر محض اس لیے باقی دنیا سے کاٹ دیا گیا تھا کہ عراقی ذخائر سے فائدہ مستقبل قریب میں اُس وقت اُٹھایا جائے گا جب کویتی وسعودی تیل کے ذخائر میں بڑی حد تک کمی واقع ہو چکی ہو گی۔ خلیج کی جنگ سے 2003ء میں کیے گئے حملے تک عراق کو دنیا میں کہیں بھی تیل فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس معروضی صورتِ حال سے مسلمانوں کو یہ سمجھ آ جانی چاہیے کہ مغرب کے کفریہ نظام کے اہداف کیا ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی صورت میں قائم بین الاقوامی ادارہ درحقیقت امریکی و مغربی مفادات کا پہرہ دار ہے۔ اس کی نام نہاد غیر جانبداری دراصل مسلمانوں کا منہ بند رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا ایک حربہ ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اہلِ مغرب کیلئے استحصال اور ظلم روا رکھنے کے تمام دروازے کھلے ہیں، کیونکہ اقوامِ متحدہ مختلف حیلے بہانوں سے انہیں ''دنیا کی بہتری'' کا جواز فراہم کرنے کی تگ و دو میں لگی رہتی ہے۔ الغرض قربِ قیامت کی ایک بہت بڑی علامت پوری ہو چکی ہے۔ اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس سے پہلے یہ علامت 1099ء میں پوری ہوتی ہوئی نظر آئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان باہمی اختلافات اور جنگ و جدل کی وجہ سے پہلی صلیبی جنگ ہار گئے تھے اور بیت المقدس عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ لیکن آج کا عالمی اُفق اس بات کا شاہد ہے کہ یہ آج ہی کا بدترین دور ہے، جس کی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے پیشگوئی کی تھی۔ مسلمانوں کی تمام تر عددی برتری اور وسائل کی ملکیت کے

باوجود عقیدہ کی کمزوری اور مقصد پر یقین محکم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا رُعب بے نور و بے برکت ہو چکا ہے۔ وہی عرب جو دولتِ ایمانی سے سرفراز ہو کر عددی قلت کے باوجود اپنے عہد کی سپر پاوروں ''روم و فارس'' کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا کرتے تھے، آج وہی عرب اسرائیل جیسے چھوٹے سے ملک سے تین بار پٹ چکے ہیں۔ اسرائیل 1948ء، 1967ء اور 1976ء میں پوری عرب دنیا کے فوجی اتحاد کو ہرا کر ثابت کر چکا ہے کہ مسلمان اُس کیلئے تر نوالہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر اسرائیل جیسا ملک مسلمانوں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کر رہا تو امریکہ، روس، چین اور متحدہ یورپ کے مقابلے میں مسلم دنیا کا حال کیا ہوگا؟ یہاں جو منطقی سوال ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہی حال رہے گا خدا کے آخری دین اور آخری اُمت کا؟ کیا آج سے بڑھ کر کوئی اور زمانہ ''قربِ قیامت'' کا وقت کہلوانے کا زیادہ حقدار ہے؟

ایک اور صحیح حدیث میں چند اہم علامات بڑے ہی واضح انداز میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''قیامت اُس وقت تک نہ آئے گی، جب تک (مسلمانوں کی) دو بڑی جماعتیں آپس میں زبردست جنگ نہ کر لیں۔ اُن دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا (کہ دونوں حق کے لیے لڑ رہے ہیں)۔ جب تک تیس کے قریب ایسے دجال و

کذاب نہ پیدا ہو جائیں، جن میں سے ہر کوئی خود کو خدا کا رسول بتائے گا (معاذاللہ)"۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: "قیامت اُس وقت تک نہ آئے گی، جب تک دنیا سے علم اُٹھ نہ جائے اور زلزلوں کی کثرت نہ ہو جائے۔"

(متفق علیہ)

مذکورہ بالا حدیث میں جن دو بڑی جماعتوں کا ذکر موجود ہے، اُن کے بارے میں اکثر علماء اور مورخین کا خیال ہے کہ یہاں اشارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تنازع کی طرف ہے۔ تاہم اس سے بہتر اور سیاق و سباق کے اعتبار سے زیادہ معتبر تشریح ماضی قریب کی صورتحال میں موجود ہے۔ ایران اور عراق کی جنگ جسے "جنگِ خلیج اوّل" (First Gulf War) کہتے ہیں اس حدیث کی بہترین ترجمانی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایران و عراق جنگ تقریباً دس سال جاری رہی اور اس میں دونوں طرف سے دس لاکھ سے زائد لوگ مارے گئے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ دونوں طرف ایک ہی خدا و رسول ﷺ کے نعرے بلند ہو رہے تھے اور حق پر ہونے کا دعویٰ کیا جا رہا تھا۔ علاوہ ازیں اگر بات جھوٹے مدعیانِ نبوت کے حوالے سے کی جائے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ علامت پوری طرح سے ظاہر ہو چکی ہے۔ راقم الحروف کے مطابق "تیس" کا ہندسہ کثرتِ تعداد پر دلیل ہے اور اگر تاریخ کے اوراق کو کھول کر دیکھا جائے تو بات ڈھکی چھپی نہیں رہ جاتی کہ مسیلمہ کذاب سے شروع ہونے والی کہانی کا انجام مرزا ملعون قادیانی کی جھوٹی نبوت پر بھی نہیں

ہوا، بلکہ یہ داستانِ کذب بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں ایک "یوسف" نامی کذاب نے حضرت محمد ﷺ کا "اوتار" ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ اُس کے جسم میں (معاذ اللہ) محمد ﷺ کی روح حلول کر گئی ہے۔ یہ معاملہ کافی عرصہ تک میڈیا میں چھایا رہا اور بعد ازاں اُس شخص کو گرفتار کر لیا گیا۔

فرمانِ نبوی ﷺ کے عین مطابق عصرِ حاضر میں علم سے برکت اُٹھ چکی ہے اور علم بجائے عمل یا اصلاح کے، محض پیسہ کمانے کیلئے سیکھا اور سکھایا جا رہا ہے۔ اس نکتے پر کتاب کے ایک اور حصے میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے، لہٰذا اب مزید گفتگو کی گنجائش باقی نہیں بچتی۔ علاوہ ازیں زلزلوں کی کثرت کے حوالے سے بھی کتاب کے دوسرے حصے میں اعداد و شمار دیئے گئے ہیں اور تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔ تاہم قارئین سے بھی گزارش ہے کہ وہ ان دونوں امور پر بالخصوص اور اوپر والی حدیث میں بیان کردہ باقی دو علامات پر بالعموم غور اور مزید مطالعہ کریں تاکہ اُن پر یہ واضح ہو جائے کہ قیامت کیلئے اب مزید کوئی لمبا ٹائم فریم دینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

بے شک اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تقلیدِ مغرب بھی علاماتِ قیامت میں سے ایک اہم انتباہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے انتہائی عام فہم اور دوٹوک انداز میں فرمایا:

"تم اپنے سے پہلوں کا یقیناً بالشت بالشت اور ذراع بذراع اتباع کرو گے۔ حتیٰ کہ وہ اگر گوہ کے سوراخ میں

داخل ہوئے تھے تو تم بھی لازماً داخل ہو گے۔ سوال کیا گیا :یا رسول اللہ ﷺ کیا پہلوں سے آپکی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تو اور کون ہیں؟''

(متفق علیہ)

اس حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے تصدیق فرما دی کہ ''پہلوں'' سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ حضور ﷺ کے دور میں ''رُوم'' کا لفظ پورے عیسائی یورپ کو مخاطب کرنے کیلئے مستعمل تھا۔ جبکہ نصاریٰ یعنی عیسائیوں کی اُس عہد میں مطلق پہچان ''سلطنتِ رُوما'' (Byzantine Empire) ہی سے تھی، کیونکہ سلطنتِ رُوما کا سرکاری مذہب عیسائیت تھا۔ یہاں یہود کی مذمت شریعتِ موسوی سے انحراف کی وجہ سے کی گئی۔ یہودی تاریخ کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ آلِ یہود اپنے دین میں نت نئی اختراعات کرنے اور انبیاء سے دشمنی کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ انہوں نے بے شمار انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا۔ اسی طرح کبھی بچھڑے کی پرستش کی، تو کبھی اہلِ کنعان کے دیوتا ''بعل'' کو خدائے عزوجل کے مقابلے میں معبود بنایا[5]۔ ان نافرمانیوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے کئی بار بنی اسرائیل پر شدید عذاب بھی نازل کیا، جس کا تذکرہ موجودہ بائبل میں کئی مقامات پر ملتا ہے۔

پچھلی حدیث سے مماثل ایک اور حدیث میں ''رُوم و فارس'' کے اتباع کی بات بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اُس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی، جب تک میری اُمت بالشت بہ بالشت اور ذراع بذراع فارس اور رُوم کی اتباع کرنا شروع نہ کر دے۔''

(بخاری)

سترہویں صدی عیسوی میں اہل یورپ نے کلیسا کا سیاست سے اثر اور کردار مکمل طور پر ختم کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں ریاست وحکومت (State & Politics) اور کلیسا ودینیات (Clergy & Theology) یعنی مذہب کو ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا گیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران اندھی طاقت رکھنے والا روم کا کیتھولک کلیسا بالکل بے اثر کر دیا گیا۔ تب سے آج تک اہل مغرب کی سرشت میں چھپی ہوئی بربریت و بے شرمی آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی ہیں۔ افسوس اس امر پر ہے کہ جس اخلاقی پستی پر آج ملحد یورپ کھڑا ہے، مسلمان اُسی اخلاقی گراوٹ کو معیارِ زندگی سمجھ بیٹھے ہیں۔ مسلمان معاشروں کے اندر مغربی طرز کا غیر مہذب لباس پہننا، داڑھی کے ایسے ایسے سٹائل بنانا جو اسلام تو درکنار، کسی بھی جمالیاتی حس رکھنے والے شخص کو نہ اچھے لگیں، سرعام شراب نوشی کرنا، ناچ گانے میں لطف و سرور محسوس کرنا، مردوزن کا شادی بیاہ اور دیگر محافل میں عام اختلاط ہونا وغیرہ اس قدر عام ہو چکے ہیں کہ انہیں بنیادی ضروریاتِ زندگی سمجھا جانے لگا ہے۔ اور اگر کوئی بھی مشرقی یا مذہبی ذہن رکھنے والا شخص ان معاشرتی برائیوں کے خلاف آواز اٹھائے تو اُسے دقیانوس اور

قدامت پرست ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ ٹی وی چینلز پر نیم عریاں خواتین اسلام پر تبصرہ فرما کر اسے مادر پدر آزاد دین ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہوتی ہیں۔ کسی کو کچھ پرواہ نہیں کہ قرآن وسنت کیا کہتے ہیں۔ شاید یہی وہ بے راہروی کا طوفان ہے جس کی ابتدائی شکل کو دیکھ کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرنگی ایجنڈے کو ان الفاظ میں بے نقاب کیا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بدن سے نکال دو!
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو!

(ضربِ کلیم)

آج ہر کوئی اپنا راگ الاپنے میں مصروف ہے۔ اشرافیہ جس بات کو صحیح سمجھ لے، میڈیا اس کو حق بات ثابت کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ علماء دین کی باتوں کو سننے کی بجائے آج اُن کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے۔ ایک ضد اور انا ہے جو ہر شخص کے سر میں گھس گئی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث مبارکہ میں درج ہے:

''ہر شخص نفسانی خواہشات کی پیروی کرے گا اور اپنی رائے کو ترجیح دے گا اور اس پر اِتراتا ہوا نظر آئے گا۔''

(مشکوٰۃ)

آج ہر مرد اور عورت اپنی رائے کو یوں اہمیت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے وہی عصرِ حاضر کے ''سقراط، افلاطون یا ارسطو'' ہوں۔ یہ کیفیت مادر پدر آزاد

معاشروں میں اور بھی شدت اختیار کر کے ''خود پرستی'' (Self-Centerism) کی بیماری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ وہ نفسیاتی بیماری ہے جس کے باعث اکثر کسی بات کے ذرا سا برا لگنے پر ہی خودکشی تک کا انتہائی قدم اُٹھا لیا جاتا ہے۔

رِیا اور شہوتِ خفی بھی اُن چند معاشرتی بیماریوں میں سے ہیں جن کا عام ہونا احادیث نبوی ﷺ کے مطابق قربِ قیامت کی اہم نشانیوں میں سے ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اپنی اُمت کی طرف سب سے زیادہ شرک اور شہوتِ خفی (چھپی ہوئی شہوت) کا خوف ہے۔'' میں نے حیرانی سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ کیا آپکے بعد آپ ﷺ کی اُمت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! وہ چاند سورج اور بتان و پتھر کی پرستش نہیں کریں گے۔ بلکہ وہ اپنے اعمال کا دکھاوا کیا کریں گے (جو کہ شرکِ اصغر ہے) اور شہوتِ خفی یہ ہوگی کہ اُن میں سے ایک شخص روزہ کی نیت کرے گا اور پھر نفسانی خواہشات میں سے کسی خواہش کے پیشِ نظر روزہ چھوڑ دے گا۔''

(مسند احمد بن حنبل، بیہقی)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے تم سے شرکِ اصغر کا سب سے زیادہ خدشہ ہے۔''

صحابہ کرام نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شرکِ اصغر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رِیا!''

(مسند احمد بن حنبل)

پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ اُنہیں اُمت سے کس قسم کے شرک کا خدشہ ہے، اور یہ کہ شرکِ اصغر یعنی رِیا قربِ قیامت میں عروج پر پہنچ جائے گی اور انسان رِیا کو گناہ نہ سمجھے گا، بلکہ اُس کا ہر عمل حتیٰ کہ عبادات بھی دکھاوا کے لیے ہوں گی۔ نفسیاتی تجزیہ پر معلوم ہوگا کہ رِیا صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب انسان خدا کو بھول جائے اور اپنے نفس کا غلام ہو جائے۔ نفس کی غلامی سے مراد یہ ہے کہ عبدِ نفس بن کر ''عبد اللہ'' یعنی اطاعتِ الٰہیہ کے تصور پر کاری ضرب لگا دی جائے۔ خدا کو محض حقیقتِ بعیدہ سمجھ کر انسان نفسانی خواہشات کے تابع ہو جائے اور اُلوہی قوانین کی خلاف ورزی شروع کر دے۔ یہی وہ حالتیں ہیں جن میں شرکِ اصغر کی کیفیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

ترمذی میں روایت ایک اور طویل حدیث اس جاری بحث کے حوالے سے بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسی حدیث ہے جس میں قیامت کے موضوع پر اس قدر مفصل انداز میں بات کی گئی ہے کہ اس حدیث کے بعد

کسی اور روایت کے پیش کیے جانے کی ضرورت تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب مالِ غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جانے لگے اور امانت کو غنیمت سمجھ کر دبا لیا جائے اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے اور تعلیم دنیا کے لیے حاصل کی جائے اور انسان اپنی بیوی کا اطاعت گزار بن جائے اور ماں کو ستانا شروع کر دے، دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور کر دے، مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے، قبیلہ کے سردار بے دین لوگ بن جائیں، کمینوں کو قوم کی ذمہ داری سونپ دی جائے، انسان کی عزت اس لیے کی جائے تا کہ وہ شرارت پھیلانے سے باز رہے، گانے بجانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے سامان کی کثرت ہو جائے، شرابیں پی جانے لگیں اور بعد میں آنے والے لوگ اُمت کے پہلے گزر چکے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں، تو اُس زمانہ میں سرخ آندھیوں اور زلزلوں کا انتظار کرو۔ (مزید برآں) زمین کے دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور آسمان سے پتھر برسنے کے بھی منتظر رہو۔ اور ان عذابوں کے ساتھ دوسری اُن نشانیوں کا بھی انتظار کرو جو پے در پے ظاہر ہوں گی جیسے کسی تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور پے در پے دانے گرنے

لگیں۔"

(ترمذی شریف)

شکوک و شبہات سے بھرپور آج کے پُر فریب دور میں اس حدیث سے بہتر شاید ہی کوئی نشانِ راہ ہو، کہ انسان اُس سے اپنی منزل کا تعین کر سکے۔ باقی احادیث میں روایت کردہ پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے انکار اگرچہ ادھوری مماثلتوں کی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم مذکورہ بالا حدیث اس قدر مفصّل اور برموضوع ہے کہ کوئی بھی ذی شعور عصرِ حاضر پر اس حدیث میں بیان کردہ تمام پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا انکار نہیں کرے گا۔

الغرض خبردار کرنے کے لیے اب اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ 90 فیصد سے زائد علاماتِ قیامت پوری ہو چکی ہیں، اور باقی رہ جانے والی چند بڑی علامات جن میں نزولِ مسیح علیہ السلام اور آمدِ دجال شامل ہیں پوری ہونے کے بہت قریب ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچتا ہے کہ وہ مستقبل میں ایک پرسکون زندگی گزار سکتا ہے یا پھر کوئی شخص کرۂ ارض کے سہانے دنوں کے لوٹ آنے کی اُمید رکھتا ہے، تو یہ خام خیالی اور خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ اُن واقعات کی جزوی ابتداء ہو چکی ہے جن کو انگریزی میں "Apocalypse" کہا جاتا ہے، اور جس سے مراد مراحلِ قیامت کا آغاز ہے۔

ترجمہ: "چنانچہ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے، یقیناً اس کی نشانیاں آ چکی ہیں،

تو جب قیامت ان کے پاس آ پہنچے گی تو ان کے لیے کہاں
ہوگا نصیحت حاصل کرنا؟''

(سورۂ محمد، ۱۸:۴۷)

حوالہ جات

1۔ ہارون یحییٰ، اینڈ آف ٹائم (End of Time)، قیامت کی نشانیاں اور ظہورِ امام مہدی، (مترجم: انجم سلطان شہباز، ایم اے)، مطبوعہ: بک کارنر شوروم، جہلم، 2009، صفحہ 47-46

۲۔ مولانا مفتی رفیع عثمانی، علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی، 2008، صفحہ 129

۳۔ حالیہ برسوں میں آنے والے بڑے زلزلوں میں ہونے والی ہلاکتوں کے اعداد و شمار مندرجہ ذیل ہیں:

2001ء (بھارت: 20085 ہلاکتیں)، 2002ء (افغانستان: 1000)، 2003ء (ایران: 31000)، 2004ء (انڈونیشیا، سمندری زلزلہ ''سونامی'': 229000)، 2005ء (پاکستان: 104000)، 2006ء (انڈونیشیا: 6234)، 2007ء (پیرو: 519)، 2008ء (چین: 69197)، 2009ء (اٹلی: 300)

۴۔ البرہان، علاء الدین متقی الہندی

۵۔ بائبل مقدس، کتابِ گنتی، باب 25 آیات 5-3

باب ۳

سائنس اور قربِ قیامت

Science & Doomsday

دیگر تمام ذرائع کے ساتھ ساتھ جدید سائنس بھی ایک ایسا ناقابل فراموش اور بے حد قابلِ اعتماد علمی ذریعہ ہے جس کی بدولت ہم قربِ قیامت کے حوالے سے حاصل کردہ معلومات کو انتہائی باریک بینی سے پرکھ سکتے ہیں۔ سائنس ہمیں ہر چیز کا مشاہدہ ''تجرباتی'' (Experimental) بنیادوں پر کرواتی ہے اور جب تک ہر چیز آنکھوں کے سامنے پوری طرح سے کھل کر نہ آ جائے، اُسے حقیقت تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مذہبی زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ سائنسی نقطۂ نظر میں ''عین الیقین'' ہی دراصل ''حق الیقین'' ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ''Seeing is Believing'' سائنس کا وہ قانون ہے جس کے بغیر سائنس ازخود سائنس ہی نہیں۔ سائنس کا یہ معیار انسان کو توہم پرستی اور تخیل کی دنیا سے نکال کر حقائق کی طرف لے آتا ہے۔ جس سے انسان نے عقائد کو حقائق سے تب تک جدا رکھا، جب تک وہ ثابت نہیں ہو گئے۔ سائنسی تحقیق کا یہ خاصہ ہے کہ سائنس ''نظریات'' (Theories) اور

''قوانین'' (Laws) میں ایک بہت واضح فرق کا تعین کر دیتی ہے، جس کے مطابق نظریات کا تحقیق کے کسی بھی مرحلہ پر احتساب و مواخذہ کیا جا سکتا۔ تاہم قوانین کا مواخذہ اس لیے ممکن نہیں، کیونکہ وہ پہلے ہی سے تحقیق کے بے شمار مدارج طے کر کے خود کو زمان و مکاں کے ہر ماحول میں ناقابلِ تغیر ثابت کر چکے ہوتے ہیں۔

قرب قیامت کے موضوع پر سائنسی تحقیقات نے جدید دور کے انسان کی جو مدد کی ہے، اُس کی اہمیت سے انکار کسی صورت بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سائنس کے مختلف شعبہ جات نے نہ صرف مستقبل قریب میں ہونے والے واقعات کی ٹھیک ٹھیک پیشگوئیاں کی ہیں، بلکہ ان پیش گوئیوں اور ان پر ہونے والی تحقیقات سے حاصل شدہ حتمی معلومات کی روشنی میں ایک خاص دن کا تعین بھی کر دیا ہے۔ ایک ایسا دن جب وقت کی سوئی ہمیشہ کیلئے تھم جائیگی اور دنیا اپنے انجام سے دوچار ہو جائیگی۔ عالم انسانیت کیلئے یہ حقیقت جس قدر حیران کن ہے، اسی قدر خوفناک بھی ہے کہ دنیا 21 دسمبر 2012ء کو فنا ہونے والی ہے۔ مذہبی، تاریخی اور دیگر شواہد کے ساتھ ساتھ اگر سائنس بھی 21 دسمبر 2012ء کے دن کی بطورِ ''یوم الحوادث'' یعنی بطور یوم قیامت تصدیق کر رہی ہے تو یقیناً اس کی حقیقت سے انکار بے جا اور لاحاصل ہے۔ اتنے بہت سارے ثبوت میسر آ جانے کے بعد اگر محض چند چھوٹے چھوٹے نکات، جو بظاہر 21 دسمبر کے نظریے سے متصادم ہیں، کا سہارا لیکر دسمبر 2012ء میں آنیوالی خوفناک تباہی اور کرۂ ارض پر سے انسانی زندگی کے خاتمہ کی حقیقتوں کا انکار کر

بھی دیا جائے تو یہ عمل محض طفل تسلی کے سوا کچھ نہیں، جو دل کو کچھ دیر کیلئے خوشنما سراب کا شکار کر کے پرسکون کر دے گی۔

آج کی تحقیقات میں Polar Shift, Planet X, Glactic Enligmment, Web Bot Program چند ایسے ناقابل فراموش حقائق ہیں، جن کی مدد سے قیامت کی گھنٹوں اور منٹوں کی حد تک واضح پیشگوئی کرنا ممکن ہو چکا ہے۔ اس باب میں ہم اُن تمام سائنسی عوامل پر ایک جائزہ پیش کریں گے، جو انتہائی صراحت کے ساتھ 21 دسمبر 2012ء کو زمینی زندگی کے خاتمے کا اعلان کر رہے ہیں کہ اب اُن کو جھٹلانا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ اس جائزہ کے پیش کیے جانے کے بعد ہم یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑیں گے کہ وہ اس باب میں پیش کردہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے 21 دسمبر 2012ء کے نظریے سے کس قدر مطمئن اور متفق ہوتے ہیں۔

باب۴

نظامِ شمسی میں ایک ''نامعلوم وجود''

An "Unknown Object" in the Solar System

1970ء میں جب امریکی خلائی ادارے 'ناسا' (NASA) نے قدیم ماہرین فلکیات کے بیانات کی روشنی میں Planet X کا کمپیوٹر ماڈل تیار کیا تو اس وقت یہ سیارہ محض ایک تخیلاتی جسم کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن 1983ء میں ناسا کے 13 سالہ تحقیقاتی سفر کے بعد Planet X اچانک ایک فلکیاتی حقیقت بن کر اُبھرا۔ 1983ء میں ناسا کے سائنسدانوں نے ایک بے حد طاقتور دوربین ''Infrared Astronomical Satellite) جسے مختصراً ''IRAS'' کا نام دیا جاتا ہے، کی مدد سے خلا میں ایک ''دیو قامت نامعلوم وجود'' کو دریافت کیا۔ مزید گہرائی سے مشاہدہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نامعلوم وجودِ سماوی، درحقیقت نظامِ شمسی ہی کا حصہ ہے، جو کہ ستاروں کے ''اورئین'' (Orion) نامی جھرمٹ کے رُخ پر واقع ہے۔ یہ ایک حیران کر دینے والا انکشاف تھا جس نے ناسا کے ایوانوں میں زلزلہ سا طاری کر دیا۔ امریکی میڈیا میں بھی اس انکشاف نے کھلبلی مچا دی اور امریکی اخبارات نے اس معاملے کو بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے اٹھا لیا اور ناسا پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ''دی واشنگٹن

پوسٹ‘‘(The Washington Post) نے 30 دسمبر 1983ء کو یہ معروف شہ سرخی لگائی۔

"At Soler System's edge giant object is a mystery..... A heavenly bedy possibly as large as the giant planet Jupitar and possibly so close to the Earth that it would be a part of this Solar System has been found in the direction of the constellation "Orion" by an orbiting telescope called IRAS." ؎1

’’نظام شمسی کے کنارے پر ایک دیو قامت وجود کا پایا جانا انتہائی پر اسرار معاملہ ہے۔۔۔ یہ ایک ایسا سماوی جسم ہے جو کہ ممکنہ طور پر اس قدر بڑا ہو سکتا ہے جتنا کہ دیو قامت سیارہ مشتری ہے، جبکہ یہ زمین کے اس قدر قریب واقع ہے کہ ممکنہ طور پر ہمارے ہی نظامِ شمسی کا حصہ ہو سکتا ہے۔ اس کو ایک مداری دوربین IRAS نے ستاروں کے جھرمٹ ’’اورئین‘‘ کی طرف دریافت کیا۔‘‘

اخبار کی طرف سے جب IRAS پراجیکٹ کے سب سے معروف سائنسدان گیری نیگ باؤر (Gerry Negbauer) سے سوال کیا گیا کہ

’’یہ سماوی وجود حقیقت میں کیا چیز ہے؟‘‘

تو گیری نے جواب دیا:

"All I can tell you is that we don't know what it really is."

''میں جو کچھ بھی تمھیں بتا سکتا ہوں، وہ یہی ہے کہ ابھی ہم پوری طرح سے اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

اور یہیں سے اِس پراسرار کہانی کا آغاز ہوا۔ جس کے بارے میں کئی اور معروف امریکی اخباروں نے شہ سرخیاں لگائیں۔ ان میں سے دو شہ سرخیاں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

"Giant Object Mystfies Astronomers."

"Mystery Body Found in Space!"

اس معاملے کو سر اٹھائے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک ''دسویں سیارہ'' کی کہانی منظر عام سے غائب کر دی گئی۔ ناسا نے حیران کن طور پر 'پراسرار' چپ سادھ کر اس موضوع کو یوں دبا دیا جیسے یہ واقعہ کبھی ہوا ہی نہ تھا اور تب سے آج تک اس موضوع پر امریکی خلائی تحقیقی ادارے کی طرف سے کوئی بات نہیں کی گئی۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا؟ کیا اس کے پیچھے کوئی راز تھا؟ یقیناً اس واقعہ کے پیچھے کوئی ایسا بہت بڑا راز ہے، جسے امریکی حکومت چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ متشکک ذہن شاید اس واقعہ اور اس کے بعد پیدا ہونے والے حالات پر یقین نہ کریں۔ تاہم ہماری ایسے لوگوں سے صرف اتنی گذارش ہے کہ وہ دسمبر 1983ء کے آخری ہفتے اور جنوری 1984ء کے معروف امریکی اخبارات اُٹھا کر حقیقت کا مشاہدہ وادراک اپنی آنکھوں سے کر لیں۔

کچھ ماہرین فلکیات کی طرف سے ایک اور اعتراض جو کہ حال ہی

میں سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ امریکی حکومت کی معاونت سے خلائی ادارے ناسا نے قطب جنوبی (Southern Pole) میں ایک بہت طاقتور دوربین نصب کی ہے[2]۔ جبکہ اس دوربین کے ساتھ ایک انتہائی ترقی یافتہ مشاہدہ گاہ بھی تعمیر کی گئی ہے جس کا واحد مقصد "Planet X" (جس کو "نبیرو سیارہ" بھی کہتے ہیں) کے مدار کا جائزہ لینا اور اس کے زمین کی طرف بڑھنے کے خطرے سے پیشگی آگاہی حاصل کرنا ہے۔ تا کہ اگر سو (100%) میں سے پچیس (25%) فیصد بھی نبیرو سیارہ کے زمین سے ٹکراؤ کا خطرہ پیدا ہو جائے تو بروقت حفاظتی تدابیر کر کے انسانی زندگی کے بچاؤ کا کوئی راستہ نکالا جا سکے۔

یہاں پر ایک اور اہم سوال، جو کہ بہت سے ذہنوں میں سر اٹھا سکتا ہے، خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ سوال یہ ہے کہ Planet X جیسا بڑا سیارہ اگر واقعتاً زمین کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے جس سے Planet X اور سیارۂ زمین کے تصادم کا خطرہ بھی پیدا ہو گیا ہے، تو ایسی صورت میں زمین پر موجود انسانوں کو Planet X آسمان کی وسعت میں اپنی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دینا چاہیے تھا۔ یقیناً یہ سوال اپنی صحت کے اعتبار سے بہت مؤثر اور وزنی ہے۔ تاہم اس کا ایک جامع سائنسی جواب موجود ہے کہ زمین چونکہ 23.4 درجے پر جھک کر اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ اس لیے ہم محض وہی اجسامِ فلکی دیکھ سکتے ہیں جو کہ قطب شمالی کے نصف کرہ کے آسمان پر ظاہر ہوں۔ قطب جنوبی انسانی زندگی کے آثار سے مکمل طور پر محروم ہے۔ اس لیے دنیا کے اس نصف کرے پر ہونے والے کسی حادثہ یا قطب جنوبی کے آسمان پر نظر آنے والی کسی بھی چیز کو دنیا کے

باقی علاقوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ امریکہ کا قطب جنوبی میں طاقتور دوربین لگا کر فلکیاتی مشاہدہ گاہ قائم کرنا اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔

ایسے ماہرین فلکیات جو Planet X کی حقیقت سے واقف ہیں اور دنیا کو اس شدید نوعیت کے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ سیارہ زمین کی طرف بڑھتے ہوئے انسانی آبادی والے نصف کرہ سے بالکل نظر نہیں آئے گا۔ جبکہ اس کا ظہور اس وقت اچانک ہوگا جب یہ ٹکراؤ کے عمل اور وقت کے بہت قریب پہنچ چکا ہوگا۔ اکثر ماہرین فلکیات نہ صرف اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں بلکہ ریاضیاتی حسابات سے یہ ثابت بھی کر چکے ہیں کہ نبیرو سیارہ اور زمین میں ٹکراؤ کا یہ واقعہ 21 دسمبر 2012ء کو ہی پیش آئے گا۔ اگرچہ اکثر دوسرے ماہرین فلکیات نبیرو سیارہ کے زمین سے تصادم کے لیے مقرر کردہ اس تاریخ یعنی 21 دسمبر 2012ء کو اس سطح پر اہمیت نہیں دے رہے، جس سطح پر ان کو ''کہکشانی قطار بندی'' (Galactic Alignment) نے پریشان کر رکھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ عمل ہے جس کا تعلق زمین کے شمسی مدار سے ہے اور اس کا انکار کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ تاہم راقم الحروف اس عملِ سماوی کا تذکرہ موجودہ موضوع پر سیر حاصل بحث ہو جانے کے بعد تفصیل سے کرے گا۔ اگر غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے قدرت ہر طرف سے انسان، سیارۂ زمین یا شاید پوری کائنات کی بساط لپیٹنے کا اہتمام کر رہی ہو۔

ترجمہ: ''اور قیامت کا آنا تو آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی

قریب۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

(سورۃ النحل ۷۷:۱۶)

ترجمہ: ''وہ دن وہ ہوگا جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے خطوط کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔''

(سورۃ الانبیاء ۱۰۴:۲۱)

Planet X یا نبیرو سیارہ کا زمین سے ٹکرانا عین ممکن ہے کہ 21 دسمبر 2012ء کے دن ہی کو پیش آئے اور اسی دن دوسرے تمام سماوی حادثات بھی ہوں۔ اس مقام پر Planet X کے حوالے سے ایک مذہبی تاویل بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ ایک حدیث نبوی ﷺ میں یہ خبر واضح انداز میں دی گئی ہے کہ قیامت سے پہلے ایک روشن ستارہ ظاہر ہوگا۔ جبکہ مزید ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ قیامت سے پہلے ایک ستارہ زمین پر گرے گا، جس کے ٹکراؤ کی شدت کی وجہ سے بڑے بڑے چٹانی ٹکڑے شہابیوں کی مانند کرۂ ارض پر گر کر انسانوں کے سر کچل دیں گے[3]۔ عین ممکن ہے کہ یہ وہی ستارہ (سیارہ) ہو جس کی پیش گوئی حدیث میں کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں اسلامی نقطۂ نظر سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہوئی نظر آتی ہے کہ ستارے کا زمین سے ٹکرانا ایک ناگزیر عمل ہے جو قیامت کے ظہور کے وقت ایک اچانک مگر شدید حادثہ کی صورت میں وقوع پذیر ہوگا اور نتیجتاً ہر طرف آگ ہی آگ اور دھواں ہی دھواں پھیل جائے گا۔

چونکہ یہ پوری کتاب قیامت کے 21 دسمبر 2012ء کے دن رونما ہونے پر ایک مدلل بحث ہے۔ اس لیے ہمیں نبیرو سیارہ اور قیامت کے ظہور کے باہمی تعلق کو

ذہن میں رکھ کر نبیرو سیارہ یا Planet X کی واپسی کو درحقیقت یومِ قیامت کی منادی ہی سمجھنا چاہیے۔

اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ دنیا کی ہر قدیم تہذیب، مذہبی کتاب اور کہانت کے تمام معروف مراکز قربِ قیامت میں زمین سے کسی نامعلوم ستارے کے ٹکرانے کے واقعہ کی یکساں خبر دیتے آئے ہیں۔ مزید برآں، جدید سائنس بھی آج اس امر کی شاہد ہے کہ مستقبل قریب میں ایک دیو قامت سیارہ ہماری زمین سے ٹکرانے جارہا ہے اور اس تصادم سے زمین پاش پاش ہو جائیگی، گویا کہ پہاڑوں اور میدانوں کو یکساں کسی نادیدہ قوت نے اٹھا کر باہم پٹخ ڈالا ہو۔

ترجمہ: ''اور زمین اور پہاڑوں کو اکٹھے اٹھا کر ایک ہی بار پٹخ کر پاش پاش کر دیا جائے گا۔ پس اسی روز قیامت برپا ہو جائے گی۔''

(سورۃ الحاقہ، ۱۴:۶۹)

عصر حاضر کے ایک معروف پاکستانی مصنف اور سائنسدان (میٹالرجسٹ) پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم کا زمین کے ساتھ کسی ضخیم سماوی جسم کے ٹکرانے کے بعد پیدا ہونے والی صورحال پر یہ تجزیہ ہے:

''اگر کوئی ضخیم سماوی جسم یعنی بہت بڑا شہابِ ثاقب زمین پر گرے تو زمین اپنے اندر محض گڑھا پیدا ہونے پر اکتفا نہ کرے گی، بلکہ یہ بات ممکنات میں شامل ہے کہ زمین کی

گردشی رفتار اپنے محور کے گرد تبدیل ہو جائے یا پھر زمین کسی نئے محور کے گرد گھومنا شروع کر دے۔ اگر چہ یہ تبدیلیاں اپنی نوعیت میں بہت معمولی یا متوقع تبدیلیوں کا چند فیصد ہیں۔ مگر اس کے اثرات ساری دنیا پر پڑیں گے۔ اگر چہ یہ تبدیلیاں چھوٹے پیمانے پر ہونگی، لیکن ان کی مقدار اُن تبدیلیوں سے کہیں زیادہ ہوگی، جن کی بنیاد زمینی ہے۔ مثلاً گلیشیرز کی شفٹ یا مدوجزر کی پیدائش وغیرہ۔ زمین کے ساتھ بڑے تصادموں (جیسا کہ پلینٹ ایکس کا تصادم ہو سکتا ہے) کے اثرات بہت شدید ہوں گے۔ اتنے شدید کہ جن کا موجودہ انسان پہلی بار تجربہ کرے گا۔ اور یہ ایٹمی دھماکوں سے بھی زیادہ شدید ہوں گے۔ زمین کا کسی اور محور کے گرد گھومنے کا یہ مطلب ہو گا کہ ہماری فضا بدل جائے گی۔ سمندر اپنا رخ بدل لیں گے، آب و ہوا تبدیل ہو جائیگی اور نئی سطحاتِ سمندر پیدا ہو جائیں گی[4]۔''

ترجمہ: ''تو آپ اس دِن کا انتظار کیجئے جب آسمان صاف دھواں لائے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا (کہا جائے گا:) یہ ہے دردناک عذاب!''

(سورۃ الدخان، ۱۱-۱۰:۴۴)

حوالہ جات

۱۔ Washington Post, *"Mystery Heavenly Body,* p.A130-12-1980*Discovered"*,

۲۔ اس دور بین کو "South Pole Telescope" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا وجود اور استعمال NASA کے زیرِ استعمال دیگر دور بینوں کے برعکس انتہائی خفیہ رکھا گیا ہے۔

۳۔ (الف) حجۃ اللہ العالمین، صفحہ 829۔ (ب) ترمذی، جلد دوّم، صفحہ 41

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، کائنات اور اس کا انجام: قرآن اور سائنس کی روشنی میں، مطبوعہ: فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، 2004، صفحہ 116

باب ۵

سیارۂ زمین کی کہکشانی قطار بندی

Galactic Alignment

زمین کی کہکشانی قطار بندی کیا ہے؟ اس امر کی وضاحت ہم ایک معروف امریکی سائنسدان کی زبان سے کرواتے ہیں۔ ''جان میجر جینکنز'' (John Major Jenkins) جو کہ معروف امریکی ماہر فلکیات ہیں اور سائنسی جریدے ''Mathematical Astronomy Moricls'' سے وابستہ ہیں، کہتے ہیں:

> *"The Galactic Alignment is the alignment of December solstice sun with Galactic Equator. This alignment occurs as a result of the procession of the equinoxes caused by earth wobbling."* [1]

یعنی کہکشانی قطار بندی وہ عملِ قطار بندی ہے، جس میں 21 دسمبر 2012ء یعنی اس سال کے چھوٹے ترین دن کا سورج (December Solstice Sun) ملکی وے کہکشاں (Milky Way Galaxy) کے خط استواء کے بالکل اوپر ہوگا اور زمین اپنی مداری حرکت میں موجود گہرے جھکاؤ

کے باعث 21 دسمبر 2012ء کو اس سطح پر پہنچ چکی ہو گی کہ کہکشانی خطِ استواء پر سورج اور ملکی وے کہکشاں کے عین درمیان میں پھنس جائیگی۔ اس پھنساؤ کے عمل کا نتیجہ کیا ہو گا؟ کیا اجسامِ سماوی کی یہ ترتیب سیارہ زمین کے لیے ایک پھندا ثابت ہو گی؟ پیشتر اس کے کہ ہم کسی سائنسی پیش گوئی کی طرف جائیں، بہتر ہو گا کہ اس پورے عمل کی سائنسی توجیہات کا ایک طائرانہ جائزہ لے لیا جائے۔

زمین کا مدار ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، بلکہ زمین سورج کے گرد چکر لگانے کے عمل کے دوران ایک خاص قسم کے بیرونی لڑھکاؤ کا شکار ہو جاتی ہے، جو کہ الجبری پیمائش میں ہر 71.5 سالوں میں 1 درجہ کے برابر بنتا ہے۔ آسان زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ زمین ہر ساڑھے اکہتر سال کے بعد ایک درجہ اپنے مدار سے باہر کی طرف کھسک جاتی ہے اور یوں زمین کا اپنے مدار کو بدلنے کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

اس عمل کی بدولت کرۂ ارض کے دونوں نصف کرّوں پر موسموں میں بھی ایک لمبے عرصے کے بعد تبدیلی آ جاتی ہے۔ ہر 2160 سال کے عرصہ کے دوران زمین اتنے زاویے تک گھوم چکی ہوتی ہے کہ آسمان پر نظر آنے والے کئی ستارے انسان کی نگاہوں سے مکمل اوجھل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی مورخ نے 160 قبل مسیح کے لگ بھگ کسی سماوی جسم کے آسمان میں مقام کا تعین کیا ہو تو آج وہ سماوی جسم اس جگہ پر نہیں ہو گا۔ یوں زمین کے مدار میں تبدیلی کا یہ سفر چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سیارۂ زمین 24800 سال کا وقت

اسی عمل میں گزار کر ایک ایسے مقام پر آجاتا ہے جو کہ سورج اور ہماری کہکشاں کے مرکز کی عین سیدھ میں واقع ہے۔ کہکشاں کے اندر جو خاص سطحی پلیٹ فارم ہمارا نظامِ شمسی استعمال کرتا ہے، اس کو سائنسی زبان میں Ecliptic Plane کہتے ہیں۔ اس سطح کے گرد ایک چکر مکمل کرنے کے لئے زمین کو 24800 سال کا وقت درکار ہوتا ہے۔ یعنی زمین اپنے لڑھکنے کے عمل کے دوران مختلف مقامات سے گزرتی ہے اور ان مقامات میں سے ایک اہم مقام ہماری کہکشاں کا خط استواء بھی ہے۔ چونکہ یہ دائروی چکر 24800 سالوں میں مکمل ہوتا ہے، اس لیے یہ امر بھی فطری ہے کہ زمین کہکشانی خط استواء سے ایک بار گزر کر دوبارہ اس مقام پر 24800 سالوں کے بعد ہی آئے گی۔

کہکشانی خط استواء پر سفر وہ مرحلہ ہے جس کے طے کرنے میں زمین کو 36 سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے اور اس دوران زمین سورج اور کہکشانی مرکز کے درمیان پھنسی رہتی ہے[2]۔ جس کی وجہ سے دونوں اطراف سے شدید کھنچاؤ (Gravitational Pull) ہوتا ہے اور زمین کی ساخت میں وسیع پیمانے پر تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بات چونکہ سائنسی اعتبار سے ناقابل تردید ہے کہ زمین ہر 24800 کے کہکشانی سائیکل کے دوران لازماً ایک بار ساختمانی تبدیلیوں سے گزرتی ہے، اس لیے ہمیں مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہونے والی کہکشانی قطار بندی اور اس کے زمین پر نتائج کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ Geophysics کے ماہرین کے مطابق کہکشانی قطار بندی کے عمل کا سب سے گہرا اثر سیارۂ زمین کے ''قشر'' (Crust) پر پڑتا ہے۔ قشر ارض گیند نما

زمین کے اوپر چڑھے ہوئے ''بیرونی خول'' کو کہتے ہیں، جس کی موٹائی مختلف جگہوں پر 10 سے 30 میل تک ہے۔ قشر ارض کی مثال ایک سیب کے چھلکے کی سی ہے جس کی بالکل پتلی سی چھیل ہوتی ہے اور اندر گودا کافی زیادہ ہوتا ہے۔ چھلکے کے گھومنے کے نتیجے میں یہ گودے والے حصہ سے الگ ہو جائے گا۔

اب ہم کہکشانی قطار بندی کے ممکنہ نتائج کی طرف چلتے ہیں۔ زمین کے اس لڑھکنے کے عمل میں جو بات خوفناک حقیقت کی طرح سامنے کھڑی ہماری توجہ کو اپنی جانب کھینچ رہی ہے، وہ 21 دسمبر 2012ء کو زمین کے 24800 سالہ سائیکل کا پورا ہو جانا اور اس کی کہکشانی قطار بندی ہونا یعنی کہکشاں کے خط استواء کے بالکل اوپر سفر کا آغاز کرنا ہے۔ اس عمل سے ایک بار پھر سیارۂ زمین پر ساختمانی تبدیلیوں کا قوی امکان ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق جو تبدیلی سب سے زیادہ متوقع ہے وہ سائنسی زبان میں ''Polar Shift'' کہلاتی ہے۔ ''پولر شفٹ'' زمین کے قشر کے گھومنے اور قطب شمالی اور قطب جنوبی کے اپنی اپنی جگہ کو چند گھنٹوں کے اندر بدل لینے کا نام ہے۔ 21 دسمبر 2012ء کو جب سورج طلوع ہوگا تو زمین دو انتہائی طاقتور مقناطیسی قوتوں (Magnatic Forces) کے درمیان پھنس چکی ہوگی، جس سے زمین کی قوت ثقل بڑی حد تک نیوٹرل ہو جائے گی اور زمین اپنے قشر پر مکمل قابو نہیں رکھ سکے گی۔ قشر ارض کے یوں بے قابو ہو جانے کی صورت میں جو تباہی کرۂ ارض پر وقوع پذیر ہوگی وہ ناقابل بیان ہے۔ ار آج سے 24800 سال پہلے Homo Sapien نامی

ہماری نوع سے تعلق رکھنے والا ذہین انسان زمین پر موجود تھا تو اُس نے کرۂ ارض پر واقع ہونے والی اُن شدید تبدیلیوں کا گہرائی سے مشاہدہ اور ادراک کیا ہو گا اور یقینی طور پر تباہی کے اُن مناظر کو اپنے لاشعور میں کہیں محفوظ کر لیا ہو گا جن سے پچھلی کہکشانی قطار بندی کے دوران ہماری زمین گزری تھی۔ کرۂ ارض کے دونوں قطبوں (قطب شمالی اور قطب جنوبی) کی موجودہ پوزیشنیں بالکل وہی ہیں جو پچھلی کہکشانی قطار بندی کے عمل کے دوران سورج اور ہماری کہکشاں کے استوائی مرکز کے باہمی مقناطیسی کھنچاؤ کے باعث زمین پر وجود میں آئیں۔ دونوں قطبوں کے مقامات کی تبدیلی اور قشر ارض کی حرکت کے بقول ماہرین ارضیات(Geologists) جو سب سے بھیانک نتائج سامنے آسکتے ہیں، ان میں شدید نوعیت کے زلزلوں کا مسلسل آنا، پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ جانا، سمندروں کا بپھر کر سونامیوں(Tsunamis) کو جنم دینا، ساحلی شہروں کا سمندروں میں غرق ہو جانا اور زمین کی آب و ہوا کا اچانک تبدیل ہو جانا وغیرہ شامل ہیں۔ شاید قربِ قیامت میں انہی شدید نوعیت کی تبدیلیوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن مجید نے بھی کچھ تبدیلیوں کا تذکرہ بڑے فصیح الفاظ میں کیا ہے۔

ترجمہ: ''جس دن زمین اپنی موجودہ حالت سے بدل دی جائے گی۔''

(سورۃ ابراہیم، ۱۴:۴۸)

ترجمہ: ''جب زمین شدید زلزلہ سے ہلا دی جائے گی اور زمین

اپنے اندر کی چیزیں باہر نکال پھینکے گی۔''

(سورۃ الزلزال،۲۔۱:۹۹)

ترجمہ: ''جب سمندر (سطح زمین پر) بہا دیے جائیں گے۔''

(سورۃ الانفطار،۳:۸۲)

ترجمہ: ''اور جب سمندروں کو بھڑکا کر بلند کر دیا جائے گا۔''

(سورۃ التکویر،۶:۸۱)

سیارۂ زمین کا اپنے محور (Axis) کے گرد 23.4 درجے پر گھومنا در اصل وہ سب سے بنیادی عمل ہے جس کی بدولت زمین پر زندگی کا وجود قائم ہے۔ عرفِ عام میں یوں کہنا چاہیے کہ زمین کی اس خاص زاویہ پر حرکت ہی کرۂ ارض پر حیاتیاتی نظام (Biosphere) کی اساس ہے۔ زمین ایک عرصہ سے اس زاویے پر محوری گردش کرتی چلی آ رہی ہے۔ تاہم کوئی ایسا حادثہ جس کی نوعیت سیارہ زمین کی قوتِ مزاحمت سے بھی زیادہ شدید ہو، اس محوری گردش کے زاویے کو بدل کر نظامِ زندگی کو تہس نہس کر سکتا ہے۔ محوری زاویے میں تبدیلی کا سائنسی زبان میں مطلب ہے کہ زمین کی آب و ہوا یکسر بدل جائے گی۔ اور اس طرح زمین انتہائی ٹھنڈا یا گرم ہونے کی صورت میں نظام زندگی کو برقرار رکھنے سے قاصر ہو جائیگی۔

21 دسمبر 2012ء کو جو واقعہ رونما ہونے والا ہے، اُس کی نوعیت ہمارے تصور سے بھی کہیں زیادہ شدید ہو سکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں عین ممکن ہے کہ زمین کا محور ہی بدل جائے یا پھر زمین کسی اور زاویے اور رفتار سے اپنے

محور کے گرد گردش شروع کر دے۔ چونکہ زمین 21 دسمبر 2012ء کو Galactic Alignment کی وجہ سے دو ماوراء اور انتہائی طاقتور قوتوں کے درمیان جکڑی جائیگی، اس لیے اس کی محوری گردش کی رفتار میں کمی کا امکان بھی ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی ایک طرف بھی کھنچاؤ (Gravitation) بڑھ گیا تو زمین کا محوری زاویہ اسی طرف جھک جائیگا اور ایک نیا زاویہ ترتیب پا جائیگا، جس کے باعث اچانک وہ ڈرامائی تبدیلیاں اور واقعات شروع ہو جائیں گے، جن کی تصویر کشی قرآن و حدیث میں پہلے ہی کر دی گئی ہے۔

حوالہ جات

1. www.alignment2012.com
مزید برآں، جان میجر جینکنز کے چند تحقیقی آرٹیکل بھی اس ویب سائٹ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

2. Jean Meeus, *"Ecliptic and Galactic Equator"*, *Mathematical Astronomy Morsels,* Richmod, Va: Willmann-Bell, 1997, pp.301-303

باب ٦

ویب باٹ کمپیوٹر پروگرام اور

21 دسمبر 2012ء

Web Bot Program & Doomsday 2012

''ویب باٹ پروجیکٹ'' (Web Bot Project) ایک انتہائی طاقتور کمپیوٹر پروگرام ہے، جس کو انٹرنیٹ کی مدد سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ ''تعینِ قیامت'' کے موضوع پر ہونے والی حالیہ تحقیقات میں معاصرین اس پروگرام کو بے حد اہمیت دے رہے ہیں، کیونکہ موجودہ موضوع پر سائنسی پیشرفت کی پیمائش کے لیے یہ پروگرام انتہائی دلچسپی کا حامل ہے۔ ویب باٹ پروگرام 1990ء کی دہائی کے اواخر میں ڈیزائن کیا گیا تھا اور اس کی تخلیق کا بنیادی مقصد سٹاک مارکیٹ میں کاروباری رجحان کو دیکھتے ہوئے ''مندی'' یا ''تیزی'' کی پیشین گوئی کرنا تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ویب باٹ نے ابتداء ہی میں بڑی کامیابی کے ساتھ مطلوبہ مقاصد حاصل کر لیے اور کئی موقعوں پر مندی کی پیشگی اطلاع دے کر سرمایہ داروں کو اربوں ڈالرز کے نقصان سے بچایا۔ ویب باٹ کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے اگر کہا جائے کہ یہ پروگرام کمپیوٹر سائنس

کا ایک عظیم معجزہ ہے تو ہرگز غلط نہ ہوگا۔ ویب باٹ اب ایک ایسا Prophetic Program بن چکا ہے، جس کی معلومات کو نظر انداز یا رد نہیں کیا جا سکتا۔

ویب باٹ پروجیکٹ جس طریقے سے کام کرتا ہے، وہ بھی ایک سائنسی عجوبہ سے کم نہیں۔ ویب باٹ کی رسائی کسی بھی بے حد طاقتور ''سرچ انجن'' (Search Engine) کی طرح انٹرنیٹ کی انتہائی وسعتوں تک ہوتی ہے جو کہ ان ویب سپائیڈرز (Web Spiders) کی بدولت ممکن ہوئی ہے، جن کو اس پروگرام کے بیرونی ریڈارز (Radars) کے طور پر ڈیزائن کیا گیا ہے۔ جب سٹاک مارکیٹ کے حوالے سے کسی موضوع کی وضاحت کیلئے کوئی لفظ اس کے سرچ بار (Search Bar) میں لکھا جاتا ہے تو یہ انٹرنیٹ پر موجود مجموعی مواد میں سے مطلوبہ لفظ کو ہر دستیاب حالت میں نکال لاتا ہے اور کمپیوٹر سکرین پر بمع ویب سائٹ ایڈریس اس کو ایک فہرست کی صورت میں ظاہر کر دیتا ہے۔ لفظوں کی تلاش کا یہ کھیل محض مطلوبہ لفظ پر ہی ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ویب باٹ مطلوبہ لفظ سے آگے اور پیچھے چلنے والی تحریر کو بھی لا حاضر کرتا ہے۔ یہ تلاش اتنی تیز رفتار سے کی جاتی ہے کہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں لاکھوں الفاظ ڈھونڈ لیے جاتے ہیں، جبکہ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تلاش کنندہ اپنے مطلوبہ لفظ کو ہر زاویئے سے اس سے اگلی اور پچھلی تحریر کے ساتھ ملا کر پڑھ سکتا ہے۔

ویب باٹ پروجیکٹ کے پیچھے جو حتمی تصور کارفرما ہے، اسے ماہرین یوں بیان کرتے ہیں:

''کائنات اور اس کے تمام باسیوں کے ''مجموعی لاشعور''
کے اندر ایسی رسائی حاصل کرنا جس سے نتائج میں غلطی کی
گنجائش بہت کم ہو جائے۔'' [1]

ویب باٹ تحقیقات کے سلسلے میں ایک اور عجیب بات جو کہ مشاہدہ میں آئی ہے اس پروگرام کا خودکار نظام ہے، جس کی بدولت ویب باٹ نے کسی زندہ انسان کی طرح از خود مختلف تصورات پیش کرنا شروع کر دیے ہیں۔ مثال کے طور پر ویب باٹ ماضی، حال اور مستقبل کو بلا تخصیص ایک ہی زمانہ سمجھ کر ''حتمی نقطہ'' (Tipping Point) کا تصور پیش کرتا ہے اور ویب باٹ کے مطابق یہ حتمی نقطہ کسی بڑی تبدیلی کی علامت ہوتا ہے۔

2001ء میں ویب باٹ پروگرام کے آپریٹروں نے محسوس کیا کہ یہ پروگرام محض کاروباری نوعیت کی تحقیقات اور پیشگوئیوں کے علاوہ اور بھی بہت سے امور کی تحقیق میں انتہائی مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نئی جہت کی دریافت کے بعد جب ویب باٹ سے وسیع پیمانے پر کاروباری امور میں کام لیا گیا تو جو سب سے پہلی پیشگوئی سامنے آئی اس نے مطالعہ کاروں کو حیران و ششدر کر کے رکھ دیا۔ یہ پیشگوئی جون 2001ء میں سامنے آئی اور اس میں جو معلومات بہم پہنچائی گئیں ان کے مطابق اگلے 60 سے 90 دنوں میں ایک بہت بڑا واقعہ ہونے جا رہا تھا، جس کے اثرات عالمگیر سطح پر محسوس کیے جانے والے تھے اور اس کے نتیجے میں پوری دنیا ایک گہری تبدیلی سے گزرنے والی تھی۔ اس پیشگوئی کو اگرچہ ابتداء میں صحیح توجہ اور پذیرائی نہ ملی۔ لیکن 11 ستمبر کے پراسرار و المناک

حادثے کے بعد اس نے ساری دنیا کے ماہرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ یقیناً یہ 11 ستمبر 2001ء کو پے در پے پیش آنے والے واقعات ہی تھے، جن کے حوالے سے موجود معلومات کو ویب باٹ نے ایک جگہ اکٹھا کر کے دنیا کو پیشگی خبردار کر دیا تھا۔ آج ماہرین اسی پیشگوئی کا حوالہ دیکر ویب باٹ کی اغلاط سے پاک کارکردگی کی تعریف کرتے ہیں اور مستقبل کے واقعات کی پیشگی معلومات کیلئے ویب باٹ پر انحصار کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ ایک معروف تحقیقی جریدہ ویب باٹ پروگرام کی ماضی کی کارکردگی کے حوالے سے یوں لکھتا ہے:

> *"One of the first accurate predictions from the Web Bot Program took place in June of 2001. The program predicted that a life altering event would take place within the next 60 to 90 days; an occurrence of such proportion that its effects would be felt worldwide."*[2]

مزید برآں، ویب باٹ اپنی پیشگوئیوں میں محض انسانی واقعات تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس نے قدرتی آفات کو بھی زیر بحث لانا شروع کر دیا۔ ویب باٹ نے 2004ء میں حیرت انگیز طور پر سونامی کی پیشگوئی کی، جو حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ اسی طرح اکتوبر 2005ء کے پاکستانی زلزلے اور امریکی قطرینہ طوفان کی پیشگی معلومات بھی ویب باٹ سے حاصل کی گئیں۔ ان معلومات کی روشنی میں امریکی ماہرین نے پاکستان کو قبل از وقت ایک طاقتور

زلزلے کی خبر دے دی تھی، تاہم پاکستانی حکام کی طرف سے اسے سنجیدگی سے نہ لیا گیا۔ 2008ء کے عالمی معاشی بحران کی پیشگی اطلاع ویب باٹ 2007ء میں ہی دے چکا تھا اور ویب باٹ کی رپورٹ کے مطابق اس بحران کا اثر نہ صرف ہر معاشی سطح پر محسوس کیا جائے گا بلکہ بڑے مضبوط بینک دیوالیہ ہو جائیں گے اور ہر ملک میں بیروزگاری کی شرح انتہا کو پہنچ جائیگی۔ یہ ویب باٹ کی اُن بہت سی پیشگوئیوں میں سے محض چند ہیں، جنہیں وقت نے بالکل صحیح ثابت کیا اور ان کو کمپیوٹر ریکارڈز میں دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ ان سب موضوعات پر کئی ایک دستاویزی فلمیں بھی بن چکی ہیں جن میں حقائق کو ہر نہج اور ہر انداز سے پرکھا جا چکا ہے۔[3]

یہاں تک ہمارا موضوع ویب باٹ پروگرام کے ماضی کی کارکردگی پر روشنی ڈالنا تھا۔ اب ہم ایک نظر اُن پیشگوئیوں پر ڈالتے ہیں، جو کہ ویب باٹ نے مستقبل کے چند سالوں کے حوالے سے کی ہیں۔

ویب باٹ کے مطابق 2009ء کے آخر میں یا 2010ء کے وسط تک دنیا کی سیاسی آب و ہوا اچانک جنگی ہو جانے کا امکان ہے، جس کی ممکنہ وجہ اسرائیل - ایران تنازعہ ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اسرائیل اس جنگی مہم میں ایٹمی ہتھیار بھی استعمال کرے۔ جس کے باعث ایٹمی تابکاری نکل کر جنوبی ایشیا (بالخصوص پاکستان اور افغانستان) کی آب و ہوا کو متاثر کرے۔ اسی طرح ویب باٹ کی ایک اور پیش گوئی میں کہا گیا ہے کہ 2010ء ''ڈالر کی موت'' (Death of Dollar) کا سال ہے اور اس عمل کی ابتداء پہلے ہی اگست

2009ء سے ہو چکی ہے۔ مزید برآں 2010ء انتہائی مہنگائی کا سال ہوگا اور یہ مہنگائی جو کہ ڈالر کی بے قدری کے باعث ظاہر ہوگی، خوراک کی قلت اور معاشی عدم استحکام کو جنم دے گی۔ 2011ء میں سمندروں میں شدید مدوجزر پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس صورتحال کو Global Coastal Phenomena کا نام دیا جاتا ہے۔ اس عملِ مدوجزر کے نتیجے میں ساحلی شہروں کے باشندوں کو شدید نوعیت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ 2011ء ہی میں سورج کی الٹراوائلٹ شعاعوں (Solar Ultraviolet Rays) کی وجہ سے، جو کہ سورج پر پیدا ہونے والے کسی شدید طوفان کا نتیجہ ہو سکتی ہیں، زمین پر فصلیں شدید متاثر ہوں گی۔ ناسا (NASA) بھی ایسے شمسی طوفان (Solar Flare) کی 2011ء کے آخر یا 2012ء کی ابتداء میں وقوع پذیر ہونے کی پیشگوئی کر چکا ہے۔ اس شمسی طوفان کی وجہ سے جو شعاعیں زمین پر پڑیں گی، ان کا سب سے زیادہ نقصان گندم کی فصل کو ہوگا۔ علاوہ ازیں، ان زہریلی شعاؤں کے باعث ''اوزون'' (Ozone) کی تہہ اور زمین کی مدافعتی جیکٹ کے شدید متاثر ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

اب تک کی تحقیقات میں سب سے تشویشناک بات جو ویب باٹ پروجیکٹ کے بارے میں سامنے آئی ہے، وہ ویب باٹ پروگرام کا 2012ء پر جا کر اچانک پیشگوئیوں کا سلسلہ ختم کر دینا ہے۔ سائنسدان ویب باٹ کے اس حیران کن سکوت سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ ویب باٹ کے زمانی شعور کے اندر 2012ء میں وقت کے وجود کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یعنی ویب باٹ اس امر

کی نشاندہی کر رہا ہے کہ 2012ء کا سال کرۂ ارض پر انسانی حیات کے انجام کا سال ہوگا۔ اگرچہ اس معاملے میں یہ پروگرام تاحال کسی حتمی تاریخ کی نشاندہی نہیں کر سکا۔ تاہم "End of Time" کے مہینے کا اندازہ کیا جا چکا ہے اور وہ مہینہ دسمبر کا ہی ہوگا۔ جس مخصوص واقعہ پر ویب باٹ دنیا کا خاتمہ کرتا ہوا نظر آتا ہے اسے اس نے ''عالمگیر تباہی'' (Global Calamity) کا نام دیا ہے۔ یہ تباہی دل دہلا دینے والی ہوگی اور انسان نے ایسے تباہ کن مناظر پہلے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ ویب باٹ کا انسان کے مجموعی لاشعور کے اندر کا یہ مشاہدہ ایک مافوق الفطرت قوت کی طرف سے دیئے گئے الہامات کی طرح انسانی مستقبل کے دل دہلا دینے والے واقعات کی نشاندہی وقت کے صحیح تعین کے ساتھ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ معاملہ بھی انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ویب باٹ جیسے کمپیوٹر پروگرام نے ...... جو کہ حسیات (Senses) جیسی انسانی صفت سے بھی محروم ہے...... اچانک 2012ء پر اپنی پیشگوئیاں کیونکر ختم کر دیں؟ کیا اس پروگرام نے کائنات کے اجتماعی لاشعور کے اندر جھانک کر دیکھ لیا ہے کہ قدرت اب دنیا و مافیہا کی بساط لپیٹنے کے قریب ہے؟ اگرچہ ویب باٹ نے دن کا تعین نہیں کیا، لیکن اس بات کی اہمیت اس لیے بھی ختم ہو جاتی ہے کہ ''عالمگیر تباہی'' کا مہینہ دسمبر ہے۔ جس کے بارے میں پہلے ہی اتنی زیادہ معلومات اکٹھی کی جا چکی ہیں کہ معاملہ کی صحت پر شک کرنا ناممکن ہے۔ 21 دسمبر کی باقی تمام ذرائع سے بطور یومِ آفات و حادثات تصدیق ہو چکی ہے اور یقینی طور پر یہ بات قرین قیاس بھی ہے کہ یہی دن عہدِ قیامت کے سلسلہ وار

واقعات کی ابتداء ہے۔ چونکہ سائنسدان اب ویب باٹ کا استعمال اس خاص نکتے پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کر رہے ہیں، اس لیے عین ممکن ہے کہ عنقریب دسمبر 2012ء کی 21 تاریخ کی انفرادی حیثیت کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہو جائیں اور کچھ ایسے راز کھلیں جو عالمِ انسانیت کو چونکا کر رکھ دیں۔ ویب باٹ جیسے مستند کمپیوٹر پروگرام اور دیگر تمام معتبر ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کا باریک بینی سے مطالعہ ہمیں مستقبل کے کئی حادثات کے بارے میں قبل از وقت خبردار کر سکتا ہے، جس کی بدولت ہم ایسے حادثات کا سامنا کرنے کیلئے کم از کم ذہنی طور پر تیار ہو سکتے ہیں۔ معلومات کی وسیع پیمانے پر دستیابی اور حالات کے اس حد تک معروضی شکل اختیار کر لینے کے بعد ہمیں چاہیے کہ ہم کائنات کے واحد حاکم اور یوم الحساب کے مالک سے ٹوٹے ہوئے تمام رابطے بحال کر کے ''عافیت و مغفرت'' کی دعا مانگیں۔

ترجمہ: ''کھڑکھڑانے والی چیز۔ کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے؟ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ شدید کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے؟ یہ چیز (درحقیقت) وہ دن ہے، جب لوگ پروانوں کی طرح دیوانہ وار بھاگتے پھریں گے اور پہاڑ دُھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح کر دیئے جائیں گے۔''

(القارعہ، ۱-۵:۱۰۱)

حوالہ جات

1. www.faggo.com, (retrieved)

2. Mary Joah, www.faggo.com (retrieved)

3.www.vureel.com/video/2646/Doomsday-2012-The-Web-Bot-Project

باب ۷

قدیم تہذیبوں میں تصورِ قیامت اور وقت کا خاتمہ

End of Time According to Ancient Civilization

دُنیا کی حتمی تباہی کا تصور اس قدر معروف ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ سے لے کر آج تک تقریباً ہر تمدن اور تہذیب میں اس کی باتیں ہوتی رہی ہیں۔ قدیم تہذیبوں میں ہمیں ایسے قصے کہانیاں اور اساطیر ہر جگہ ملتے ہیں، جن میں زمین اور آسمان کی تخلیق اور اُن کی اُخروی تباہی پر بہت تفصیل سے بحث موجود ہوتی ہے۔ عراق کی ''سومیری تہذیب'' دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے، جس نے آئندہ دور میں پہنچنے والی انسانی فکر کو بنیادیں فراہم کیں۔ انہی لوگوں کی تحریر کردہ قدیم عراقی اساطیر (Mesopotamian Mythology) اینوما ایلش'' (Enuma Elish) میں بھی کچھ اسی قسم کے تذکرے ملتے ہیں جو تخلیقِ کائنات کے متعلق ہیں اور جن میں مافوق الفطرت قوتوں کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ زمین کی تخلیق، جیسا کہ اینوما ایلش اساطیر بیان کرتی ہے، مافوق الفطرت قوتوں نے کی اور یہ تخلیق کسی منصوبہ بندی کی بجائے دیوتاؤں کی

پاس کچھ ایسی توانائی (Technology) اور تکنیکیں (Techniques) تھیں، جو انتہائی ترقی یافتہ شکل اختیار کر چکی تھیں۔ تاہم وہ تکنیکی مہارتیں ہم سے پس پردہ ہی رہیں۔ یقیناً یہی وجہ ہے کہ آج بہت سارے ماہرین ان تعمیرات میں انسانی ہاتھ کے کارفرما ہونے کا صریحاً انکار کر دیتے ہیں اور ان کو کسی خلائی مخلوق (Aliens) کا کارنامہ قرار دیتے ہیں[2]۔ تاہم ہمارا موجودہ موضوع ان تعمیرات کا کھوج لگانا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ قدیم تہذیبوں کی علمی حیثیت کیا تھی اور وہ لوگ کون کون سے ہنر جانتے تھے۔

تصورِ قیامت کے حوالے سے علم فلکیات کا شعبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق ظہورِ قیامت کا براہِ راست تعلق آسمان کے ساتھ ہے۔

ترجمہ: ''جب آسمان پھٹ جائیں گے۔ اور (پھر) جب قبریں اکھاڑی جائیں گی۔''

(سورۃ الانفطار، ۱۔۴: ۸۲)

علم فلکیات کی بنیاد اُسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن انسان نے پہلی بار آسمان کی وسعتوں کو حیرانی اور تجسس سے دیکھا ہوگا اور سوچ و بچار میں پڑ کر سمجھنے کی کوشش کرنے لگا ہوگا کہ یہ سارا ماجرا کیا ہے؟ زمانہ قدیم میں تہذیب کی ترویج کے ساتھ ہی انسان کی دلچسپی آسمان، ستاروں، چاند اور سورج جیسے مظاہرِ قدرت میں بڑھ گئی۔ تحقیقی اذہان نے جہاں ایک طرف اُن کے ''فنکشن'' کو سمجھنا چاہا تو وہیں توہم پرست ذہنوں نے انہیں دیوتا قرار دے ڈالا۔ توہم

پرست مکتبۂ فکر کے مدمقابل ہمیشہ ہی سے ایک تحقیقی مکتبۂ فکر رہا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے علم وآگہی اور جستجو کی انسانی زندگی میں اہمیت وضرورت پر زور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اُن لوگوں کو اوّلین فلسفیوں کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔

یہ اُن فلسفیوں کا ہی علم سے لگاؤ تھا کہ انسان ''وقت'' (Time) کے تصور سے واقف ہوا۔ انسان نے پھر دن، ہفتے، مہینے اور سال کی تخصیص کی۔ فطرت کے نظام کو پوری طرح سمجھ کر انسان نے قمری اور شمسی سالوں کا تقویمی نظام (Calendrical System) تشکیل دیا۔ قدیم مصر کے باسی وہ قدیم ترین واوّلین لوگ تھے جنہوں نے سال کو 12 ماہ اور 365 دنوں میں تقسیم کیا[3]۔ اس نظام کو بعد میں بابلیوں (Babylonians) نے بھی معمولی ترمیم کے ساتھ اپنایا اور یوں یہ نظام ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کو منتقل ہوتے ہوتے آج اپنی موجودہ شکل پر پہنچ چکا ہے۔ تاہم اس نظام کی دریافت کے ساتھ کچھ حیران کن باتیں بھی وابستہ ہیں۔ جیسے سورج گرہن، چاند گرہن، دُم دار ستاروں کا ظہور یا ایسی ہی کسی اور آفاقی حرکت کا ظہور۔ یہ غیر معمولی آفاقی حرکات شروع سے ہی انسان کیلئے پریشان کن رہی ہیں۔ اس پریشانی سے نجات حاصل کرنے کیلئے جب انسان نے ان کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اُس پر پراسرار راز سمجھی جانے والی یہ باتیں سلسلہ وار انداز میں کھلنے لگیں کہ یہ سب عوامل ''فطرت'' (Nature) کا حصہ ہیں اور ان کا ظہور کائنات کے خود کار نظام کے قوانین کے عین مطابق ہے۔ اس نہج پر پہنچ جانے کے بعد انسان نے

ایسے غیر معمولی عوامل اور مظاہر قدرت کا مطالعہ تشکیکی بنیادوں پر بہت نزدیک سے کرنا شروع کر دیا جس کی بدولت بیشمار سائنسی انکشافات ہوئے اور انسان بالآخر اس قابل ہو گیا کہ مظاہر قدرت اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے فلکی حادثات وحرکات کے بارے میں ٹھیک ٹھیک پیشگوئی کر سکے۔ پیشگوئی کرنے کی صلاحیت کا حصول درحقیقت انسان کی آفاق اور اجرام فلکی کی تسخیر تھی۔ وہ اب مستقبل کو بہت پہلے جان سکتا تھا اور یہ بتا سکتا تھا کہ مستقبل کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اور آسمان کون کون سے رنگ دکھائے گا۔ یہی فلکیاتی پیشگوئیاں ہمارے موجودہ باب کا موضوع ہیں۔

عام زندگی میں کسی پیشگوئی کا پورا ہونا کشف یا روحانی علوم کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ تاہم فلکیاتی پیشگوئیوں کا سچ ثابت ہونا سائنسی علم کی پختگی کی علامت ہے۔ اس باب میں ہم دو قدیم تہذیبوں کے علم فلکیات سے فائدہ اٹھا کر اُن کے تقویمی نظاموں میں متعارف کروائے گئے ''اینڈ آف ٹائم'' یعنی وقت کے اختتام اور قیامت کے ظہور کا تعین کرنے کی کوشش کریں گے۔

حوالہ جات

1. Armstrong, Karen, *A History of God*, New York: Ballantine Books, 2002, pp. 10-11

2. Joshua Strickland, *Aliens on Earth*, Grosset & Dunlap, 1977

3۔ مصر کی قدیم تہذیب اور قدیم مصریوں کے ہاں پھلنے پھولنے والے علوم وفنون جنہوں نے بعد میں آنے والے زمانوں کے لیے رہنمائی کا سامان مہیا کر دیا پر عالمانہ مطالعہ کے لیے درج ذیل کتاب ملاحظہ کیجئے۔

Ian Shaw, ed. *The Oxford Illustrated History of Ancient Egypt*, Oxford: Oxford University Press, 2000

باب ۸

میکسیکو کی مایا تہذیب

Maya Civilization of Mexico

اس باب میں ہمارا پہلا موضوع قدیم ''مایاتہذیب'' ہے۔ جسے ماہرین آثار قدیمہ ''وسطی امریکی تہذیب'' (Mesoamerican Civilization) کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ مایاتہذیب کا دور چھٹی سے گیارہویں صدی عیسوی تک رہا جس کے دوران یہ تہذیب میکسیکو کے پہاڑی سلسلوں میں پھلتی پھولتی رہی۔ مایا تہذیب کی باقی تمام خصوصیات اپنی جگہ، تاہم ہمارا موضوع بحث جو خاص نکتہ ہے وہ مایا تہذیب کا انتہائی ترقی یافتہ ''کیلنڈر سسٹم'' ہے۔ وقت کی اس پُر پیچ تقسیم کو''باکٹن''(Baktun) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مایا کیلنڈر کا کل دورانیہ پانچ ہزار ایک سو پچیس (5125) سال پر مشتمل ہے، جسے تیرہ حصوں یا باکٹنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان تیرہ میں سے ہر حصہ یا باکٹن ایک لاکھ چوالیس ہزار 1,44,000 دنوں پر مشتمل ہے۔ مایا لوگوں کے کیلنڈر کی ابتداء گیارہ اگست 3114 قبل مسیح سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے کیلنڈر کو انسانی تاریخ میں اس قدر پیچھے لے جانے کیلئے علم فلکیات بالخصوص اجرام فلکی کی حرکت کا سہارا لیتے ہیں اور وقت کو اپنے وجود سے بھی کم و بیش

ساڑھے تین ہزار سال تک پیچھے پھیلا دیتے ہیں۔ اگرچہ اس سارے معاملے میں ثقیل ریاضی کے سوا بظاہر کچھ نظر نہیں آرہا، تاہم اس تقویمی نظام کی جو بات ہمارے لئے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے -- بلکہ حیران کن ہے -- وہ مایا لوگوں کی طرف سے کی گئی آنے والے ایک ہزار سال تک کی سورج اور چاند گرہن کی پیشگوئیاں ہیں جو حرف بحرف اور لحہ بہ لحہ سچ ثابت ہوئیں ہیں۔ مزید برآں جو دوسرا حیرت انگیز امر سامنے آیا ہے وہ مایا کیلنڈر میں لیپ کا سال نہ ہونے کے باوجود موجودہ عیسوی کیلنڈر (Gregorian Calendar) اور مایا کیلنڈر میں ایک دن تک کا فرق بھی نہ آنا ہے۔ یہ مایا تہذیب کی فلکیاتی ترقی کے وہ آثار ہیں، جنہیں عصر حاضر کی ترقی یافتہ سائنس مصدقہ قرار دے چکی ہے۔ اپنی اِنہی تاریخی اور سائنسی خصوصیات کی بدولت مایا تہذیب کا فلکیاتی نظام اور کیلنڈر سسٹم قدیم تقویمی نظاموں کے اندر نہ صرف خاص مقام رکھتے ہیں، بلکہ آج بھی انتہائی مستند قرار دیئے جاتے ہیں۔

مایا تہذیب کے سائنسی نظام کی اس قدر وضاحت کے بعد اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مایا کیلنڈر ہمارے لئے کیوں اہمیت کا حامل ہے۔ جو بات مایا تہذیب کا مطالعہ کرنے والے ماہرین آثار قدیمہ اور بہت سے سائنسی حلقوں کو پریشان کر رہی ہے وہ مایا کیلنڈر کا 21 دسمبر 2012ء کی تاریخ پر اچانک، مگر انتہائی پراسرار انداز میں ختم ہو جانا ہے۔

مایا تہذیب کے کیلنڈر کے مطالعہ سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ مایا کیلنڈر سسٹم کا تیرہواں اور آخری باکٹن، جو کہ ابھی چل رہا ہے، 2012ء کی

21 دسمبر جو کہ سال کا سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے (Winter Solstice" انگریزی میں Winter Solstice کہلاتا ہے) پر ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اکیس دسمبر سال کا مختصر ترین دن ہرتا ہے اور اس دن سورج زمین سے اپنے بعید ترین مقام پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں اکثر تقویمی نظام اکیس جون یا اکیس دسمبر سے شروع ہوتے یا ان پر ختم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ 21 جون سال کا طویل ترین دن ہوتا ہے اور اس دن سورج کا زمین سے فاصلہ کم ترین ہوتا ہے۔ مایا تقویم کے تیرہویں باکٹن کے اختتام پر جو تاریخ ظاہر ہوگی اسے مایا تحریروں میں یوں درج کیا گیا ہے[1] 13.0.0.0.0 حیرانگی کی بات یہ ہے کہ یہ تاریخ مایا لوگوں کے تصورِ وقت کے مطابق زمین کی تباہی کے مرحلے کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ وقت کا پہیہ اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ ہم آسان لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مایا تہذیب کے ماہرین فلکیات کچھ مخصوص فلکیاتی مظاہر کی وجہ سے جس تاریخ کو دنیا کی تباہی کا دن قرار دے رہے ہیں، وہ رائج الوقت عیسوی کیلنڈر میں 21 دسمبر 2012ء کی تاریخ بنتی ہے۔ اس دن دوپہر کو وقت کا پہیہ دوبارہ پیچھے کی طرف گھوم جائے گا اور وقت پھر سے "صفر" ہو جائے گا۔ مایا لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وقت کے دوبارہ صفر ہوتے ہی دنیا اپنے اختتام پر پہنچ جائے گی اور عالمِ رنگ و بُو مطلق موت سے دوچار ہو جائے گا۔

مایا تہذیب کی تقویم اور جنتری کے نظام کو آج اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے؟ عصر حاضر کے سائنسدانوں میں مایا تہذیب کے حوالے سے دلچسپی

کئی وجوہات کی بنا پر بڑھتی جا رہی ہے۔ جہاں سائنسدان پیچیدہ مایا تقویم اور اغلاط سے پاک فلکیاتی پیشگوئیوں کی وجہ سے حیران ہیں، وہیں وہ اس بات پر بھی ششدر ہیں کہ مایا لوگوں نے کس طرح بیک وقت تین کیلنڈروں کے کثیر جہتی نظام کو بیک وقت تخلیق کیا اور طویل عرصہ تک اس سے استفادہ کرتے رہے؟ یہ تین کیلنڈر بالترتیب 260، 360 اور 584 دنوں پر مشتمل تھے۔ ماہرین ریاضیات کے مطابق اتنا عمدہ اور پیچیدہ تقویمی نظام انسانی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ عام قارئین کو شاید اس معاملہ کی قابلِ تعریف پیچیدگی عام فہم نہ لگے، لیکن وہ لوگ جو علمِ فلکیات، ریاضی یا امورِ طبیعات کی تھوڑی سی بھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ راقم الحروف کن عوامل کو پردۂ لاعلمی سے باہر لا کر نوشتہ دیوار بنانا چاہ رہا ہے۔ بہر حال سائنسدانوں کی طرف سے کی گئی یہ تعریف اس بات کی دلیل ہے کہ مایا تہذیب کے پورے تقویمی نظام کے 21 دسمبر 2012ء کے دن پر اچانک ختم ہو جانے کو آج انتہائی سنجیدگی سے لیا جا رہا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ کونسا ایسا فلکیاتی حادثہ ہوگا جس کے باعث سیارۂ زمین کے وجود تک کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی ستارہ، سیارہ یا شہابیہ زمین سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر دے گا؟-- یا نظام شمسی کے حدود اربعہ میں کسی شدید نوعیت کی تبدیلی کا امکان ہے؟ یا پھر ہماری کہکشاں کوئی حیرت انگیز اثر پیدا کرنے والی ہے؟ یہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، جس کا جواب جدید سائنس ہر زاویئے سے دینے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ تاہم اس موضوع پر مزید بحث سائنس کے تحت لکھے گئے باب میں کی

جائے گی۔

مایا تہذیب کی باقیات میں پیشگوئیوں کا ایک اور منفرد سلسلہ بھی موجود ہے۔ یہ پیشگوئیاں میکسیکو کی قدیم مایائی زبان ''یوکاٹک'' (Yucatec) میں لکھی گئی ہیں، اور ایک درجن سے زائد کتب پر مشتمل ہیں۔ ان تمام کتب کو مجموعی طور پر ''چیلم بالم'' (Chilam Balam) کا نام دیا جاتا ہے۔ چیلم بالم سے مراد ہے ''شیر پروہت'' (Jaguar Priest) اور ان کتب کی ایسی وجہ تسمیہ اس لیے ہے کہ ان تمام پیش گوئیوں کو ایک پراسرار پروہت سے منسوب کیا جاتا ہے جو مقامی لوگوں کے مطابق جنگلات کا رہائشی تھا۔ یہ پروہت جنگلات میں تپسیا کر کے پیشگوئیاں بیان کیا کرتا تھا جنہیں مقامی لوگ یاد یا تحریر کر لیا کرتے تھے۔

چیلم بالم پیشگوئیوں کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے میکسیکو کے خطہ ''جزیرہ نمائے یوکاٹک'' میں ہسپانوی حملہ آوروں کی آمد کی اس قدر صحیح پیشگوئی کی تھی کہ سال، مہینہ اور دن تک کا تعین کر دیا گیا تھا۔ یہ دن 22 اپریل 1519ء بنتا ہے، اور واقعتاً ہسپانوی سرخ و سپید لوگوں کے جہاز اسی دن میکسیکو کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوئے۔ اس معروف پیشگوئی کو یوکاٹک کے باسی ''کوئٹزلکوٹل دیوتا کی کہانی'' (The Legend of Quetzelcoatl) کے نام سے جانتے تھے، اور یہی نام آج جدید مطالعہ کاروں کے ہاں بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کہانی کے مطابق کوئٹزلکوٹل دیوتا دسویں صدی میں مایائی لوگوں کو چھوڑ کر مشرق کی طرف چلا گیا تھا، اور اب اُس کی واپسی ''خوشحالی کے تیرہویں

عہد کے اختتام" (End of 13th Heaven) پر ہو گی جب وہ مشرقی ساحلوں سے اپنے لشکر کے ہمراہ نمودار ہوگا۔ اس مرحلے کی پیشگوئی ہمیشہ "نو دوزخوں کے دور کے آغاز" کے نام سے کی جاتی رہی جو کہ مایائی تقویم کا ربط عیسوی تقویم سے ڈھونڈنے پر، جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے، 22 اپریل 1519ء بنتی تھی۔ اس پیشگوئی میں مزید یہ علامت بھی بیان کی گئی کہ کوئٹزلکوٹل دیوتا کی سپاہ سرخ وسپید رنگت کی حامل ہوگی اور وہ سیاہ داڑھی رکھے ہوئے ہوں گے۔ یقینی طور پر یہ بات تاریخی اعتبار سے بالکل صحیح ہے کیونکہ بعد میں واقعات کا ظہور بالکل اسی نہج پر ہوا اور سپین کے سرخ وسپید رنگت اور سیاہ داڑھیوں والے لوگ "ہرنان کورٹیز" (Hernan Cortes) نامی ہسپانوی جرنیل کی سرکردگی میں میکسیکو کے مشرقی ساحلوں پر اُترے اور فاتح ٹھہرے۔

اس کے علاوہ ان پیشگوئیوں میں اس امر کی وضاحت بھی کر دی گئی تھی کہ وہ "اجنبی مہمان" اپنے ساتھ عیسائیت لے کر آئیں گے اور وہ نشانی کے طور پر لکڑی کے ایک ٹکڑے (صلیب) کی تکریم کرتے ہوں گے۔ اسی سلسلے کی ایک معروف پیشگوئی ذیل میں پیش کی جا رہی ہے، جو کہ چیلم بالم ذخیرۂ کتب کی ایک اہم کتاب "شویامیل" میں موجود ہے۔

"There is a sign of one God on high. The raised wooden standard (the Christian cross) shall come. It shall be displayed to the world, that the world may be enlightened. There has

been a beginning of strife, there has been a beginning of rivalry, when the priestly man shall come to bring the sign in time to come...Receive your guests, the bearded men, the men of east, the bearers of the sign of God."

(Chilam Balam, Book of Chuyamel, Ch. 24)

''خدائے واحد کا نشان بلند ہو جائے گا۔ لکڑی کی علامت (صلیب) اس دیس میں نمودار ہو گی۔ یہ لوگوں کو دکھائی جائے گی اور دنیا میں اس کی چمک پھیل جائے گی۔ یہ ایک جدو جہد کی ابتداء ہے، ایک ابتداء بغاوت و دشمنی کی۔ جس کا آغاز تب ہو گا جب یہ نشان اُٹھائے تبلیغی لوگ یہاں آئیں گے......لوگو! اپنے مہمانوں کا (جارحانہ) استقبال کرنا، ایسے مہمان جن کی داڑھی ہے، اور جو مشرق سے آئے ہیں اور جنہوں نے خدا کا نشان اُٹھا رکھا ہے۔''

اس بات کی شہادت ''پادری ڈیگو ڈی لنڈا'' (Friar Diego de Landa) نے بھی اپنی تحریروں میں دی ہے کہ میکسیکو کے یوکاٹک خطہ کے لوگ پہلے سے ہی جانتے تھے کہ ایک نیا مذہب، داڑھی والے مشرقی لوگ اور لکڑی کے صلیب اُن کے وطن میں آ رہے ہیں۔ ڈیگو لنڈا پادری وہ مشنری تھا جس نے وہاں عیسائیت پھیلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

موجودہ کتاب کے موضوع کے اعتبار سے یہ بات ایک حیرت انگیز انکشاف سے کم نہیں کہ چیلم بالم کتب کے اندر بھی 21 دسمبر 2012ء کو تقویم انسانی کا آخری دن کہا گیا ہے۔ چیلم بالم سلسلہ کی کتاب ''تزیمین'' (Tizimin) اس امر پر دستیاب ایسی شہادت ہے جس کو نظام جنتری کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اس کتب میں بھی زمانی تدریج کو تیرہویں عہد جسے ''آہو'' (Ahau) کا نام دیا گیا پر ختم ہوتا ہوا دکھایا گیا ہے[2] مایا تہذیب کے معیاری کیلنڈر کے عین مطابق چیلم بالم کتب بھی انسانی حیات کے خاتمہ کے وقت کو 13.0.0.0.0 کے انداز میں پیش کرتے ہوئے نظر آتی ہیں، جو کہ مایا تہذیب پر تحقیق کرنے والے ماہرین کے مطابق 21 دسمبر 2012ء کی *Winter Solstice* کا دن ہے، جس کی پیشگوئی مایائی تقویمی نظام بھی کر چکا ہے[3] دوسرے لفظوں میں چیلم بالم کتب بھی مایا تہذیب کے کیلنڈر سسٹم پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مایا کا معیاری کیلنڈر اور چیلم بالم کتب بنیادی طور پر دو باہم مختلف ذرائع ہیں جو دو مختلف طرز کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تشکیل دیئے گئے تھے۔ ان دونوں قدیم ذرائع کا ایک ہی نکتہ پر اکٹھا ہو جانا اتفاق سے زیادہ سائنسی و منطقی حقیقت ہے۔

حوالہ جات

1. Susan Milbrath, *Star Gods of the Maya*, University of Texas, 2000, p. 4

2. Maude Worcester Makemson, (editor & translator), *The Book of the Jaguar Priest: A Translation of the Book of Chilam Balam of Tizimin with Commentary*, New York: H Schuman, 1951, p. 219

3. Ralph Roys , *The Book of Chilam Balam of Chuyamel,* Norman: University of Oklahoma Press, 1967, p. 111

باب ۹

سومیری تہذیب اور

21 دسمبر 2012ء

Sumerian Civilization & Doomsday 2012

قدیم عراق جسے اہل یونان نے اپنے دورِ عروج میں میسوپوٹیمیا (Mesopotamia) کے نام سے موسوم کیا تھا، انسانی تاریخ کی پہلی ''حقیقی تہذیب'' (Certified Civilization) کو جنم دینے کا اعزاز رکھتا ہے۔ لفظ Mesopotamia سے مراد ہے ''ایسی جگہ جو دو دریاؤں کے درمیان ہو۔'' (Meso بمعنی 'درمیان' اور Potamia بمعنی 'دو دریا')۔ یہ دو دریا عراق کے معروف دریائے دجلہ اور دریائے فرات ہیں، جو زمانۂ قدیم سے انسانی آبادی کے لئے خوراک و زراعت کا اہتمام کرتے چلے آرہے ہیں۔ زمانہ قبل از تاریخ میں جن لوگوں نے سب سے پہلے اس خطہ میں آبادکاری کا آغاز کیا، انہوں نے دریائے دجلہ و فرات کے درمیان واقع زرخیز میدانی علاقے کو ''سومر'' (Sumer) کا نام دیا اور اسی نسبت سے ''سومیری'' (Sumerians) کہلوائے۔ سومیری تہذیب وتمدن کی ابتداء لگ بھگ 5500 قبل مسیح میں

ہوئی[1]۔ جس کے بعد سومیری تہذیب نے آہستہ آہستہ خود کو انتہائی ترقی یافتہ شہری تہذیب میں بدل لیا اور دنیا کا پہلا علم و ادب پر مبنی معاشرہ متعارف کروایا۔

سومیری تہذیب کے مختصر تعارف کے بعد اگلا مرحلہ سومیریوں کے تصورِ قیامت اور اُس کی کتاب ہذا کے موضوع سے گہری وابستگی کو تلاش کرنا ہے۔ آج کے عہد میں بھی سومیری تہذیب ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے لیے ایک عظیم ورثہ اور معلومات کے خزانہ سے کم نہیں، کیونکہ سومیری رسم الخط کے پچھلی صدی کے دوران ڈی کوڈ (Decode) ہو جانے کے بعد تحقیق کاروں کو انسان کی اوائلی تہذیبی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملا ہے۔ مزید برآں، ماہرینِ انسانیات (Anthropologists) کو انسان کے معاشرتی و تہذیبی ارتقاء کے عمل کو سومیریوں کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں سمجھنے میں بے انتہا مدد ملی ہے۔ سومیری تہذیب کی ایک اور خوبی اس کی انتہائی ترقی یافتہ ''اساطیر'' (Mythology) ہے۔ اساطیر دیوتاؤں اور مافوق الفطرت قوتوں کے ایسے مذہبی نظام کو کہتے ہیں، جن کے بارے میں انسان یہ عقیدہ قائم کر لے کہ وہ کائنات کا نظم و نسق چلانے کے ذمّہ دار ہیں۔ سومیری اساطیر انسانی تاریخ کا وہ پہلا تحریر شدہ مذہبی نظام ہے، جس نے زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر کائنات کے اختتام تک کے تمام حالات و واقعات کے بارے میں نہ صرف مختلف تصورات پیش کیے، بلکہ اُن کو قلمبند بھی کیا۔ انسان کی تہذیبی تاریخ میں جو اوّلین مذہبی کتاب مابعد الطبیعاتی (Metaphysical)

موضوعات پر وجود میں آئی، وہ سومیریوں کی "اینوماایلش" (Enuma Elish) تھی، جس نے نہ صرف سومیری لوگوں کی زندگیوں پر گہرا اثر ڈالا بلکہ آنے والی تہذیبوں اور مذہبی فکر کو بھی ہمیشہ کے لیے اپنے اثرات کے شکنجے میں لے کر سوچ اور عقائد کے مخصوص زاویے مقرر کر دیئے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس کتاب میں طوفانِ نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی موجود ہے، جو کہ یہودیت، عیسائیت اور قرآن پاک میں واضح موجود ہے۔ اینوما ایلش علم فلکیات کے حوالے سے بھی کافی دلچسپی کی حامل کتاب ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کتاب کو تحریر کیا وہ نہ صرف مابعد الطبیعاتی موضوعات میں گہری دلچسپی رکھتے تھے، بلکہ علم فلکیات پر بھی انھیں خاصی دسترس حاصل تھی۔ کیونکہ انہوں نے سیاروں اور ستاروں کے جو مقامات اور مدارات بیان کیے ہیں، وہ حیرت انگیز طور پر صحیح اور سائنسی نقطہ نظر سے قابل مشاہدہ ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ نظام شمسی میں سورج کی مرکزی حیثیت سے 300 سال پہلے تک کا انسان ناواقف تھا۔ لیکن سومیری لوگ نہ صرف اس حقیقت سے واقف تھے کہ نظام شمسی میں سورج کی حیثیت مرکزی ہے، بلکہ وہ سیاروں کے مداروں، اُن کی تعداد اور توانائی کے حصول کیلئے اِن سیاروں کے سورج پر انحصار کا علم بھی رکھتے تھے۔ یہی سائنسی علم کی وہ انتہائی ترقی یافتہ شکل تھی، جو دورِ جدید کے انسان کو حیران و ششدر کیے ہوئے ہے کہ جب عصر حاضر کی جدید سائنسی تحقیقات سے حاصل کردہ مجموعی علم محض چند دہائیاں پہلے آگہی کی اُس معراج پر پہنچا جس پر آج کا انسان فخر سے پھولے نہیں سماتا، تو سومیری تہذیب کے باسی آج سے ساڑھے

پانچ ہزار سال پہلے اتنے ماوراء الخطا سائنسی علم تک کیونکر پہنچ گئے؟ کیا آسمان اُن کی براہِ راست دسترس میں تھا یا پھر اُنھیں کسی خلائی مخلوق تک رسائی حاصل تھی جس سے اُنھوں نے یہ تمام معلومات حاصل کیں؟

ایک محتاط اندازے کے مطابق 4000 سے 3500 قبل مسیح کے درمیان اہلِ سومیر نے Cuneiform رسم الخط کی بنیاد ڈالی اور ہر گزرتے ہوئے لمحے کو اپنی تہذیبی زندگی کے ساتھ محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ اس امر کی تصدیق معروف مؤرخ ''وِل ڈیورنٹ'' (Will Durant) نے بھی اپنی کتاب ''عرب'' میں کی ہے کہ فنِ تحریر کی ابتدا تقریباً چھ ہزار سال قبل سرزمینِ عراق پر ہوئی[2]۔ جس چیز پر تحریر لکھی جاتی تھی وہ ''پختہ مٹی کی تختیاں'' (Clay Tablets) ہوا کرتی تھیں۔ یہ تختیاں ہر طرح کے سرکاری و غیر سرکاری، تاریخی، سائنسی، معاشی اور معاشرتی ریکارڈ رکھنے کیلئے استعمال کی جاتی تھیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک تختی پر نظامِ شمسی کی بالکل صحیح تصویر بنائی گئی ہے، جس میں سورج ایک چمکدار عظیم الجثہ ستارے کی مانند درمیان میں موجود ہے۔ جبکہ دس سیارے مختلف مداروں میں اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ سیارۂ زمین، جس کو سومیری لوگ ''تیامت'' (Tiamat) کا نام دیتے تھے، تیسرے نمبر پر ہے اور اس کی جسامت بھی جدید سائنسی دریافت کے عین مطابق چھوٹے سیاروں جتنی ہے۔ واضح رہے کہ نظامِ شمسی میں ترتیب کے اعتبار سے زمین کا عطارد اور زہرہ سیاروں کے بعد تیسرا نمبر ہے۔ جبکہ حجم و جسامت کے اعتبار سے مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے۔ اس تصویر میں بھی

جسامت کے اعتبار سے سیارہ مشتری کو ہی سب سے بڑا دکھایا گیا ہے۔ اس سارے معاملہ میں جہاں سائنسدان اس بات سے پریشان ہیں کہ سومیری لوگوں نے اتنا گہرائی سے کائنات کا مشاہدہ و مطالعہ کیسے کیا، وہیں وہ دسویں سیارے کے معمے کو حل کرنے کیلئے ہلکان ہوئے جا رہے ہیں۔ امریکی خلائی تحقیقی ادارے ''ناسا'' (NASA) نے اس معمے کو حل کرنے کیلئے سومیری لوگوں کی چھوڑی ہوئی معلومات کے مطابق 1970ء میں اس سیارے کا ایک کمپیوٹر ماڈل تیار کیا اور اس کو ''پلینٹ ایکس'' (Planet X) کا نام دیا۔ ناسا کے مطابق یہ سیارہ اپنی جسامت میں زمین سے کم از کم پانچ گنا بڑا ہے اور اس کا ترچھا (Eliptical) مدار کئی ہزار سال پر مشتمل ہے۔ سومیری ماہرینِ فلکیات کے مطابق بھی اس سیارے کی جسامت زمین سے کئی گنا زیادہ تھی۔ مزید برآں، سومیری لوگ کئی اور تباہ کن انکشافات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن کے بقول یہ سیارہ جسے وہ ''نبیرو'' (Nibiru) کے نام سے جانتے تھے کافی عرصہ پہلے زمین کے بہت قریب سے گزرا تھا۔ نبیرو کے سیارۂ زمین کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے زمین پر ایک بہت بڑی تباہی آئی تھی، جس کا سب سے ہولناک پہلو ایک عالمگیر سیلاب (Global Deluge) تھا۔ اس سیلاب نے لگ بھگ 90% زمینی مخلوقات کو ہلاک کر دیا۔ ان مخلوقات میں خاص طور پر قابلِ ذکر ایسے بڑے جانور ہیں جن کو ہم ڈائنوسار کے نام سے جانتے ہیں۔ آسان زبان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبیرو سیارہ کی لائی ہوئی تباہی نے ڈائنو سار اور دیگر دیو قامت جانوروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اگر سومیریوں کی بنائی ہوئی اُس تصویر کو دیکھا جائے جس میں نظام شمسی کو دکھایا گیا ہے، تو اس میں ہمیں ایک سیارہ باقی سیاروں سے کافی ہٹ کر ایک طرف جاتا ہوا دکھائی دیگا۔ جو کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سومیری ماہرین فلکیات بھی اس سائنسی حقیقت سے آشنا تھے کہ نیبرو سیارے کا مدار ترچھا ہے اور وہ سورج کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے حتمی نقطۂ قرب (Perigee) پر آ جاتا ہے۔ اگلے مرحلے میں نیبرو کا اپنے بعید ترین مقام (Apogee) کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ فاصلہ طے کرتے ہوئے اسے ہزاروں سال کا وقت لگتا ہے۔ سائنسدانوں نے Planet X یا Nibiru کے مداری وقت کے حوالے سے جو مختلف نظریات پیش کیے ہیں، اُن کے مطابق نظام شمسی کے اس ''نامعلوم'' دسویں سیارے کو اپنا مدار مکمل کرنے میں 3800 تا 12000 سال لگ سکتے ہیں۔ تاہم Planet X کے بارے میں موجود تمام سائنسی حقائق ہم اپنے سائنسی تحقیقات پر مبنی باب میں ہی پیش کریں گے اور فی الوقت ہم خود کو محض تاریخی نوعیت کے شواہد تک محدود رکھیں گے۔

سومیری اساطیر کے مطابق زمین پر نسل انسانی کے وجود اور تہذیب کے ارتقاء کا ''زراعت'' (Agriculture) کے ساتھ ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ دجلہ وفرات جیسے دریاؤں کی صورت میں پانی کے وسیع ذخائر کا میسر آنا اور ان دریاؤں کی طرف سے بچھائی گئی زرخیز مٹی کی تہہ جو کہ زراعت کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، یقیناً وہ عظیم ترین نعمتیں تھیں جو کسی بھی شہری تہذیب کے جنم اور ارتقاء کیلئے بنیادی شرائط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سومیری لوگوں نے

تذکرہ بڑی شدومد سے کرتی ہے۔ یوحنا حواری (John the Apostle) کتابِ مکاشفہ کے باب نمبر آٹھ، آیات نمبر دس اور گیارہ میں لکھتے ہیں۔

"And there fell a great star from heaven, burning as it were a lamp, and it fell upon the third part of the rivers, and upon the fountain of waters; and the name of the star is called Wormwood; and the third part of the waters became wormwood, and many men died of the waters because they were made bitter."

(Revelation 8:10-11)

ترجمہ: ''اور ایک بڑا ستارہ مشعل کی طرح جلتا ہوا آسمان سے لڑھک آیا اور تہائی دریاؤں اور پانی کے چشموں پر آن لگا۔ اس ستارے کا نام ''ناگ دونا'' (Wormwood) کہا جاتا ہے اور تہائی پانی ناگ دونے کی طرح کڑوا ہو گیا اور پانی کے کڑوا ہو جانے سے بہت سے آدمی مر گئے۔''

(مکاشفہ: باب ۸، آیات ۱۰-۱۱)

مذہبی سیاق وسباق اور تشریحات سے ہٹ کر جو چیز یہاں سومیروں کے ساتھ مشترک اور قابل توجہ ہے، وہ ستارے / سیارے کے ظہور کا بیان ہے۔ ایک بات جس کی یہاں وضاحت کرنا راقم الحروف لازمی سمجھتا ہے ستارے اور سیارے کا سائنسی لحاظ سے فرق ہے، جس سے زمانۂ قدیم کے لوگ قطعی

ناواقف تھے۔ ماضی کے لوگ سورج اور چاند کے علاوہ آسمان پر چمکنے والے ہر جسم کو ستارہ ہی سمجھتے تھے۔ اس بات کی وضاحت جدید سائنس نے مشاہدات کے ایک لمبے سلسلے کے بعد کی کہ سیارے اپنی روشنی نہیں رکھتے اور ستاروں کے گرد نہ صرف چکر لگاتے ہیں بلکہ اُن سے روشنی بھی حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا جب کوئی سماوی جسم جب انتہائی روشن نظر آئے یا وہ زمین کے بہت قریب آن پہنچے تو ہم اس عمل کو ستارے کا چمکنا یا زمین کی طرف لڑھکنا ہی کہیں گے۔

بائبل مقدس میں موجود کتابِ مکاشفہ کی گواہی کے بعد ایک بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہوئی کہ ایک بہت روشن ستارہ جو زمین سے کافی بڑا ہو گا، قرب قیامت میں زمین سے آن ٹکرائے گا اور اس کے باعث زمین پر بہت ساری اموات واقع ہوں گی، پینے کا پانی زہریلا ہو جائے گا اور آبی مخلوق بھی ہلاک ہو جائے گی۔

بائبل کے حوالہ کے بعد اب ہم واپس اپنے پچھلے موضوع کی طرف چلتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبیرو سیارہ اور زراعت کی ابتداء کے درمیان ایسا کونسا تعلق پایا جاتا ہے، جس کو سومیریوں نے تصویریں بنا کر اور مٹی کی تختیوں پر تحریریں لکھ کر بیان کرنا چاہا۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے مطابق زمین پر زرعی انقلاب (Neolithic Revolution) کی ابتداء لگ بھگ 10000 قبل مسیح میں ''اچانک'' ہوئی۔ تاہم زراعت کا باقاعدہ آغاز جس میں ہل اور آبپاشی کے نظام کا استعمال بھی شامل تھا، 5500 سے 5300 قبل مسیح کے دوران دجلہ وفرات کے درمیان واقع زرخیز قطعہ زمین پر ہوئی۔ چونکہ اُس

خاص عہد کے دوران کھیتی باڑی کیلئے ہل کا استعمال پہلی دفعہ کیا گیا تھا، جبکہ سومیریوں کے مطابق ہل نیبرو سیارہ کے رہائشی انو دیوتا کی طرف سے اہل زمین کو تحفۃً دی گئی تھی، اس لئے یہ سارا معاملہ ہمیں کم از کم اتنا سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ سائنسی بنیادوں پر تحقیق کی جائے اور دیکھا جائے کہ اُس زمانہ میں آخر کونسا ایسا عظیم واقعہ رونما ہوا تھا جس نے سطح زمین کو یکا یک زرخیز بنا کر کاشت کے قابل کر دیا تھا؟ ماہرین ارضیات (Geologists) جانتے ہیں کہ زمین تین طویل المدت برفانی زمانوں (Ice Ages) سے گزر چکی ہے۔ آخری برفانی زمانے (Pleistocene) کا خاتمہ 10000 قبل مسیح کے لگ بھگ ہوا اور زمین کا درجہ حرارت جو کہ نقطۂ انجماد سے سینکڑوں درجے منفی پر تھا بہت تیزی سے بلند ہو کر 50 درجے سیلسئس (Celsius) تک چلا گیا۔ ماہرین ارضیات، فلکیات، حیاتیات اور بحریات کا ماننا ہے کہ یہ اچانک تبدیلی کسی عظیم سماوی حادثہ کی بدولت آئی، جو کہ اپنی ہیئت میں انتہائی شدید تھا۔ تمام دستیاب ثبوت اس بات کی شہادت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ حادثہ کسی عظیم الجثہ سیارے کے زمین کے قریب سے گزرنے کی صورت میں پیش آیا۔ جس کے کھنچاؤ (Gravity) کی وجہ سے نہ صرف کرۂ ارض پر جمی ہوئی برف پگھل گئی، بلکہ سمندروں کی سطح بلند ہو کر ایک عالمگیر طوفانی سیلاب کی شکل اختیار کر گئی۔ غالب امکان ہے کہ یہی وہ طوفانی سیلاب ہے جسے سامی مذاہب نے ''طوفانِ نوح علیہ السلام'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس عالمگیر طوفانی سیلاب کے سائنسی شواہد ہمیں آج بھی کوہِ ہمالیہ اور کوہِ قراقرم جیسے بلند و بالا پہاڑی سلسلوں میں

ملتے ہیں۔ جہاں آبی مخلوقات، بالخصوص مچھلیوں کے ڈھانچے بکثرت دریافت ہو چکے ہیں۔ ماہرین ایک عرصہ تک اس معمے کو حل نہ کر پائے کہ سمندری مخلوقات اس قدر بلندی تک کیسے پہنچیں؟ تاہم وقت کے ساتھ شواہد کی دستیابی نے اس نظریہ کو بہت تقویت دے دی ہے کہ آخری برفانی عہد کے اختتام پر آنے والا سیلاب اس قدر بلند تھا کہ اس میں ہمالیہ اور قراقرم جیسے بلند ترین پہاڑی سلسلے بھی ڈوب گئے تھے۔ یہ سیلاب کچھ عرصہ اسی طرح رہنے کے بعد آہستہ آہستہ خشک ہو کر پیچھے ہٹنے لگا اور اس قدر سمٹ گیا کہ کرۂ ارض کے موجودہ سمندری مقامات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ سیلاب کے خاتمہ پر میدانی علاقوں میں خشک مگر زرخیز زمین اُبھر آئی، جس پر فنِ زراعت کی ابتداء ہوئی۔ پھر جن جن علاقوں کو پانی مسلسل دستیاب رہا، وہاں وہاں زمین غلہ پیدا کرتی رہی اور جہاں جہاں پانی نہ پہنچ پایا وہ جگہیں بارش اور زمینی پانی کی کمی کے باعث صحرا یا چٹیل میدان میں تبدیل ہو گئیں۔

عین ممکن ہے کہ یہ ساری معلومات لوک داستانوں اور زبانی قصے کہانیوں یا مذہبی روایات کی صورت میں سینہ بہ سینہ سومیریوں تک پہنچی ہوں اور اُن کے کاہنوں اور شاعروں نے ان معلومات پر مشتمل ایک طویل کتاب اینوما ایلش [4] کی صورت میں لکھ دی ہو، جسے بعدازاں مذہبی طور پر مقدس کلام تصور کر لیا گیا ہو۔ چونکہ یہ بات پہلے ہی سومیری لوگوں کے عقائد میں گھر کر چکی تھی کہ دنیا دیوتاؤں کی تخلیق ہے اور وہ اس کا نظم ونسق چلاتے ہیں۔ اس لیے اُن کو یہ ماننے میں ذرا بھر بھی مشکل پیش نہ آئی کہ زرخیزی کے دیوتا انو نے اُن

کے بادشاہ کو ہل کا تحفہ دے کر زراعت کا فن سکھایا تھا۔تمام قدیم اذہان کی طرح یہ لوگ بھی اپنے فن میں مہارت اور دیوتا کی خاص خوشنودی کی وجہ سے خود کو دوسری اقوام سے افضل سمجھتے تھے۔اب ہمیں دیکھنا یہ ہوگا کہ سومیری عقائد کے مطابق نبیرو سیارہ کے زمین کی طرف بڑھنے اور زراعت کے آغاز میں کون کون سی کڑیاں باہم ملتی ہیں۔سومیریوں نے چونکہ فنِ زراعت کا آغاز 5300 قبل مسیح کے لگ بھگ کیا تو اُس وقت تک یہ داستانیں عام ہو چکی تھیں کہ دیوتاؤں نے زمین پر بسنے والے تمام شیطان صفت انسانوں کو ایک عظیم سیلاب میں ہلاک کر دیا تھا اور عراق کے باسی سومیریوں کو اُن کی بہترین صفات کی بنا پر چن لیا تھا۔اُن کے مطابق دیوتا یہ چاہتے تھے کہ سومیری لوگ نہ صرف نسلِ انسانی آگے بڑھائیں، بلکہ علوم وفنون بالخصوص فنِ زراعت کو بھی ترقی دیں۔یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس نے سومیریوں کو یہ مان لینے پر مجبور کر دیا کہ نبیرو سیارہ اور انو دیوتا دونوں ہی اُن کیلئے خوش بختی کی علامت ہیں۔انہی مبہم عقائد نے بالآخر اُس حتمی عقیدے کی شکل اختیار کر لی جس کے مطابق انو دیوتا نے سومیری بادشاہ کو ''ہل'' عنایت کر کے زراعت کی ابتداء کے عمل میں برکت ڈال دی۔مزید برآں، سومیریوں کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ انو دیوتا نبیرو سیارہ کے اگلے چکر میں انسانوں سے اپنی عطا کردہ نعمت کے حوالے سے پوچھ گچھ کرے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس احتساب کے دوران وہ کوئی شدید سزا بھی دے۔موجودہ تحقیق کے تناظر میں سومیریوں کا مؤخرالذکر عقیدہ بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ انہوں نے یہاں نبیرو سیارہ کی واپسی کی پیشگوئی کی ہے اور یہی ہماری بحث کا

منطقی و حتمی نکتہ ہے۔ اگرچہ سومیری تقویم یا اساطیر میں نبیرو کی واپسی کا کوئی ٹائم فریم نہیں دیا گیا۔ تاہم سومیری تحریروں سے ہم کچھ ایسے شواہد ضرور اکٹھے کر سکتے ہیں، جن کی مدد سے حوصلہ افزاء نتائج تک پہنچا جا سکتا ہے۔

سومیریوں کی مذہبی دستاویز ''اینوماایلش'' کی آیات 131-130 میں یوں تحریر ہے:

''نبیرو ایک روشن ستارہ ہے، جو آفاق پر اچانک ظاہر ہوا۔ آسمان کے ستارو! نبیرو کو تم آسمان پر رہنمائی کیلئے آگے چلنے دو اور راستہ ہموار کرنے دو۔ چلو اسے دیوتاؤں کے ستاروں کے گرد حفاظتی حصار بنانے دو۔''

(اینوماایلش: تختی ۵، آیات ۱۳۰-۱۳۱)

ایک اور تختی پر مرقوم ہے کہ نبیرو آسمانِ دنیا کے حتمی سرے پر قابض ہے اور کوئی بھی ستارہ (درحقیقت سیارہ) اپنے راستے اور مقام کو چھوڑ کر آگے نہیں نکل سکتا اور نہ ہی باہر سے کوئی اندر آ سکتا ہے۔ نبیرو ایک چوکیدار کی طرح اپنے راستے پر موجود ہے [5]۔

ان قدیم تحریروں میں اگرچہ توہم پرستی کا عنصر کافی حد تک موجود ہے۔ تاہم جو ایک چیز ان تحریروں سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، وہ نبیرو سیارہ کا طویل مدار ہے۔ جس کیلئے سومیریوں نے ''حصار'' کا لفظ استعمال کیا۔ یہاں حصار سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبیرو کا ترچھا مدار اس قدر طویل ہو کہ وہ باقی تمام سیاروں کے اُوپر سے گھوم کر واپس آتا ہو اور پھر سورج کے قریب سے

گزرتا ہو۔ سورج کے اتنا قریب سے گزرنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبیرو کا مدار زمینی مدار سے رگڑ کھاتا ہو۔

سومیری تہذیب کے ضعیف الاعتقادی اور اساطیری عوامل اپنی جگہ، لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ وہ دُوربین اور دیگر جدید آلات کی مدد کے بغیر بھی مظاہر قدرت کے بہترین مشاہدہ کار تھے اور اُن کی نظروں سے کائنات کے دور اُفتادہ گوشے بھی اوجھل نہ تھے۔ سومیریوں کی اسی مہارت کے باعث آج کی سائنس بھی اُن کی تحریروں سے رہنمائی لینے پر مجبور ہے۔

کچھ جدید سائنسی حلقوں میں نبیرو کو ''ہرکولوبس'' (Hercolubus) یا ''ریڈ پلینٹ'' (Red Planet) بھی کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں، کچھ تجزیہ نگاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس سیارہ پر زندگی کے آثار موجود ہیں اور کوئی ایسی مخلوق آباد ہے، جو ہم سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے[6]۔ تاہم اس بات کی سائنسی تصدیق ابھی تک سامنے نہیں آئی۔ جدید سائنس جن زاویوں پر کام کر رہی ہے، وہ صرف اور صرف زمین اور نبیرو سیارہ کے تصادم سے بچاؤ کے ممکنہ طریقے دریافت کرنا ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کا کوئی حل دریافت نہیں کیا جاسکا اور سائنسدان اپنی تحقیقات میں ایک شدید نوعیت کی غلطی کا اعتراف بھی کر رہے ہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی راستہ جلد یا بدیر نکل ہی آئے۔ اگر وہ سائنسی غلطی جس کا تذکرہ اُوپر کیا گیا ہے، واقعتاً حقیقی ہے اور شدید اثرات کی حامل ہے، تو پھر شاید اس ٹکراؤ کو روکنا ممکن نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس تحقیق کے تناظر میں انسان کے پاس بہت کم وقت باقی بچا ہے، نبیرو سیارہ کے ٹکرانے

سے یقینی طور پر زمین ایک ایسے شدید دھماکے سے پھٹ جائے گی جس کی شدت لاکھوں ایٹم بموں کی قوت کے برابر ہو گی اور زمین کا وجود شہابیوں کی طرح چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو کر ختم ہو جائے گا۔ یہ عمل 21 دسمبر 2012ء کو ہونا متوقع ہے کیونکہ نبیرو کی واپسی 2012ء کے آخر میں ہے۔ نبیرو سیارہ کی واپسی کے ٹائم فریم پر تفصیلی بحث سائنس کے تحت لکھے گئے باب میں کی گئی ہے۔

حوالہ جات

1۔ 3500 قبل مسیح کے لگ بھگ ''رسم الخط'' کی ایجاد ہوئی اور انسان نے 'تحریر' کا آغاز کیا۔ یہ انقلابی ایجاد بھی سومیری لوگوں کے حصے میں ہی آئی۔ سومیریوں کی تحریری دستاویزات کے باعث آج ہمارے پاس 3500 قبل مسیح تک کا تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔ تاہم ماہرین آثارِ قدیمہ کا کہنا ہے کہ سومیری لوگ زرعی نظام کی ابتداء5500 قبل مسیح میں کر کے تہذیب کی بنیاد پہلے ہی رکھ چکے تھے۔

۲۔ وِل ڈیورنٹ، **عرب**، (مترجم: یاسر جواد)، لاہور (تخلیقات)، 2005 صفحہ نمبر 15

۳۔ اساطیری مذاہب کا خاصہ یہ ہے کہ وہ دیوی دیوتاؤں کو سیاروں، ستاروں، چاند اور سورج سے منسلک کر کے پوجتے ہیں۔ اس رسم کی داغ بیل بھی سومیریوں نے ہی ڈالی تھی۔ اُن کے نزدیک سورج، چاند اور نظامِ شمسی کے سبھی سیارے دیوی یا دیوتا تھے۔

۴۔ اینوما ایلش'' کا لفظی معنی ہے ''جیسا کہ آسمان پر ہوا'' (As Above Happened) مرکب لفظ اینوما ایلش کا مفہوم ہمارے نظریہ کے اثبات کی ایک بڑی دلیل ہے کہ سومیریوں کی یہ مذہبی کتاب کسی آسمانی حادثہ سے شروع ہو کر آگے آنے والے واقعات کو ترتیب وار بیان کرتی چلی جاتی ہے۔

۵۔ Wolfram von Soden, *"Zeitschrift fur Assyriologie"*, No. 47, p. 17

۶۔ مزید تفصیلات کے لیے مطالعہ کیجئے:

V. M. Rabolu, *Hercolubus Or Red Planet*, Spain, 2008

باب ۱۰

قدیم کہانت میں وقتِ قیامت کا تعین

Determining Doomsday Time Predicted by Ancient Oracles

زمانہ قبل از تاریخ سے مذہب کے بعد اگر کوئی دوسرا شعبہ مستقبل کے احوال کو بیان کرتا اور اُن پر گہری نظر رکھتا ہوا آیا ہے تو وہ ''کہانت'' ہے۔ زمانہ قدیم میں جہاں انبیاء نے مستقبل کی خبر دینے کا فریضہ سرانجام دیا، وہیں کاہنوں (Oracles) نے بھی مستقبل کو پردۂ لاعلمی سے باہر لانے کی بھرپور سعی کی۔ انبیاء کے حوالے سے یہ امر طے شدہ ہے کہ انہیں مستقبل کی تمام خبریں بذریعہ وحی پہنچائی جاتی ہیں۔ لیکن کاہنوں کو ایسی معلومات کہاں سے ملتی ہیں جن کی مدد سے مستقبل کے واقعات قبل از وقت بیان کر دیتے ہیں، ہم اس کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ کہانت ماضی کے انسان سے لے کر آج کے جدید انسان تک ایک پُراسرار راز ہی رہی ہے۔ تاہم جو چیز کہانت کے حوالے سے بے حد چونکا دینے والی ہے، وہ قدیم کاہنوں کی اکثر پیشین گوئیوں کا ہو بہو پورا ہونا ہے۔ کہانت کا اساطیری ادارہ قدیم زمانہ میں ساری دنیا میں مقبول رہا ہے۔ یقیناً یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر خطہ میں کاہنوں کی موجودگی کے آثار ملتے ہیں۔

ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے دنیا کے دور افتادہ علاقوں میں بھی ایسی پراسرار عمارات دریافت کی ہیں جن کا استعمال خالصتاً کہانت اور علم نجوم کے مقاصد کے لیے کیا جاتا تھا۔ ماضی قدیم میں کہانت کے کچھ مراکز ایسے بھی موجود رہے ہیں، جن کا حلقۂ اثر پورے پورے براعظم تک پھیلا ہوا تھا۔ انہی میں قدیم یونان کا معروف ترین مرکزِ کہانت ''ڈیلفی'' بھی شامل ہے، جس نے آنے والے ادوار میں ادب اور مذہب دونوں پر ہی اپنے اثرات چھوڑے۔

قدیم زمانہ کے چند معروف کاہنوں میں ''کاہنِ ڈیلفی (Oracle of Delphi)، سبیلین رومی کاہنہ (Sibylline the Oracle)، انگریزی کاہن مرلن (Merlin the English)، کاہنِ طائف، کاہنِ سومنات، کاہنِ بنگال اور معروف فرانسیسی کاہن ''ناسٹراڈیمس'' (Nostradamus) وغیرہ شامل ہیں۔ تاریخ میں ان سب کا اہم کردار رہا ہے اور ان میں سے ہر ایک خاص عہد تک تہذیب وادب کو متاثر کیے رکھا۔

''کاہن'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ''ایسا شخص جو اسرارِ الٰہی اور غیبی باتوں کے علم کا مدعی ہو۔'' یہودیوں کے نزدیک کہانت ایک جائز عمل ہے اور کاہن وہ ہوتا ہے جو یہودیوں کی قربانیوں کو خدا کے حضور پیش کرے اور خدا اور اِنسان کے درمیان وکیل کا کردار ادا کرے۔ عیسائیوں کے نزدیک کاہن ایسا شخص ہوتا ہے جو اچھے اعمال کی وجہ سے کہانت کے درجے پر فائز ہو اور اسرارِ الٰہی اُس پر کھلنے لگیں۔ اُن کے عقیدے کے مطابق ایسا شخص کرامات ظاہر کرسکتا ہے اور دوسروں کی حاجت

روائی پر بھی دسترس رکھتا ہے۔ چند عیسائی فرقوں میں آج بھی کہانت کا شعبہ رائج ہے اور پادری حضرات میں سے بلند مرتبت لوگ کاہن مقرر کیے جاتے ہیں۔ وہ انہیں Seer, Oracle یا Prophet کا نام دیتے ہیں اور اکثر اُن کی باتوں کو ظہورِ قیامت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے موضوعات پر حتمی سمجھتے ہیں۔

سامی مذاہب سے باہر دیگر مذاہب میں کہانت کا تصور توحید سے شرک کی طرف چلا جاتا ہے۔ اساطیری مذاہب میں ایک کاہن ہمیشہ کسی خاص دیوی یا دیوتا کے مندر/ہیکل سے منسلک ہوتا ہے اور وہ اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ اسی مخصوص دیوی یا دیوتا سے اسرارِ غیبی کی معلومات وصول کرتا ہے۔ کہانت توحیدی ادیان کی نسبت شرک پر مبنی مذاہب میں بہت زیادہ عام ہے۔ مشرک مذاہب کے عقائد اور روایات کے مطابق دیوتا اپنا ''مخصوص پیغام'' ایک کوڈ (Code) کی صورت میں کاہن تک پہنچاتا ہے، جسے وہ ڈی کوڈ (Decode) کر کے ضروری تشریح کے ساتھ آگے لوگوں تک پہنچا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم یونان کے شہر ''ڈیلفی'' (Delphi) میں اپولو دیوتا کے مندر پر مبعوث کاہنہ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اسے ''اپولو دیوتا'' (Apollo) کی طرف سے عجیب وغریب آواز سنائی دیتی ہے، جس کو صرف وہی سمجھ سکتی ہے۔ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے لوگ مہینوں کا سفر طے کر کے اپنی مشکلات اور معمات کے حل کے لیے ڈیلفی جاتے اور وہاں کاہنہ سے مل کر اپولو دیوتا سے اُن کا حل پوچھنے کی درخواست کرتے۔

کاہن کی سرگرمیوں کو سمجھ لینے کے بعد اب ہم اپنے اگلے موضوع کی طرف چلتے ہیں۔ کتاب ہذا میں صرف دو معروف کاہنوں کی پیشگوئیاں درج کی جارہی ہیں جن میں سے ایک ''سبیلین رومی'' اور دوسرا ''ناسٹراڈیمیس'' ہے۔ موزوں رہے گا کہ پہلے ناسٹراڈیمیس کے حوالے سے بات ہو جائے۔

ناسٹراڈیمیس 1503ء میں فرانس میں پیدا ہوا اور 1566ء میں فرانس ہی میں وفات پائی۔ ناسٹراڈیمیس عہدِ جدید میں کافی مقبول ہے اور مشرق و مغرب میں لوگ اُس کی پیشگوئیاں یکساں شوق سے پڑھتے ہیں۔ ناسٹرا ڈیمیس کی مقبولیت کی ایک نئی لہر 11 ستمبر 2001ء سانحہ کے بعد آئی، کیونکہ WTC کے ''جڑواں ٹاورز'' کے گرنے کے بعد ناسٹراڈیمیس کے قارئین پر یہ منکشف ہوا کہ ان حملوں کی بالکل صحیح پیشگوئی ناسٹراڈیمیس پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس پیشگوئی میں اُس نے نیویارک شہر، دیوہیکل پرندوں، آسمان میں 45 درجے کے زاویئے پر آگ سے کسی چیز کے جلنے اور اس کے بعد پیدا ہونے والی عالمی صورتحال کے حوالے سے بتایا ہے۔ مزید برآں، ناسٹراڈیمیس کی 1994ء میں ویٹی کن لائبریری سے دریافت ہونے والی پیشگوئیوں کی تصویری کتاب میں واٹر کلر سے بنی ہوئی ایک تصویر میں ایک ٹاور کو اس طرح جلتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ اُس کے ہر طرف سے آگ ہی آگ نکل رہی ہے۔ یہ تصویر بھی 11 ستمبر کے واقعہ کی بالکل حقیقی منظر کشی لگتی ہے جو کہ قبل از وقت کی گئی۔ ناسٹراڈیمیس کے حوالے سے یہی بات انتہائی حیران کن ہے کہ وہ پیشگوئی کرتے وقت مستقبل میں ہونے والے واقعات میں شامل شخصیات اور مقامات کا ٹھیک

نام استعمال کرتا ہے۔ مثال کے طور پر دوسری جنگِ عظیم (World War II) کے حوالے سے بیان کردہ پیشگوئی میں ''ہٹلر'' اور ''جرمنی'' کا تذکرہ بڑے واضح انداز میں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ''نازیوں'' (Nazis) کی طرف سے ''ہولوکاسٹ'' کے لیے قائم کردہ گیس چیمبرز اور کنسنٹریشن کیمپس کا ذکر بھی اس پیشگوئی میں موجود ہے۔ اسی طرح لندن میں 1666ء میں لگنے والی آگ، جسے ''لندن کی عظیم آگ'' کے نام سے پکارا جاتا ہے، کے بارے میں کی جانے والی پیشگوئی میں ناسٹراڈیمس نے ''لندن کی عظیم آگ'' اور ''66 کے سال'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ ناسٹراڈیمس کی طرف سے یہ پیشگوئی لندن میں لگنے والی آگ سے کم از کم ایک صدی قبل کی گئی۔ اس آگ میں دو تہائی لندن کا صفایا ہو گیا تھا، اور ناسٹراڈیمس کی پیشگوئی کے عین مطابق لندن کے اکثریتی عیسائی فرقہ ''پروٹسٹنٹ'' کے لوگوں کی بڑی تعداد ماری گئی تھی اور اُنکے کلیسا کثیر تعداد میں جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ مزید برآں، ناسٹراڈیمس کی ایک پیشگوئی میں ''نپولین بوناپارٹ'' اور اُس کی جنگی مہمات کا تذکرہ ہے، جن کے باعث یورپ خون آلود ہو جائے گا۔ اسی طرح کرسٹوفر کولمبس کے ہاتھوں امریکہ کی دریافت، ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بموں کا گرنا، سابق امریکی صدر جان ایف کینیڈی کا قتل، انسان کا چاند پر اُترنا، خلائی شٹل چیلنجر کی تباہی، لیڈی ڈیانا کی موت وغیرہ کی پیشگوئیاں ناسٹراڈیمس واضح یا مبہم لفظوں میں سولہویں صدی میں ہی کر چکا تھا[1]۔ ماہرین آج اس بات پر اتفاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ گزشتہ چارسو سالوں کے دوران رُونما ہونے والے تقریباً

سبھی بڑے واقعات کا کہیں نہ کہیں سے تعلق ناسٹراڈیمیس کی پیشگوئیوں سے ہے۔

ناسٹراڈیمیس کی یہ پیشگوئیاں منظوم قطعات کی صورت میں لکھی گئی تھیں۔ لامتناہی تعداد میں تحریر کی گئی پیشگوئیوں میں سے 941 منظوم پیشگوئیاں جبکہ ایک غیر منظوم پیشگوئی آج محفوظ حالت میں موجود ہے۔ پیشگوئیوں کی تصویری کتاب اس کے علاوہ ہے۔

آیئے اب ان تاریخی نوعیت کی حامل انتہائی معروف پیشگوئیوں کو ایک نظر دیکھ لیتے ہیں۔

"The Great Fire of London (1666)"

The Great Fire of London,

The blood of the just will be demanded of London,

Burnt by the fire in the year 66,

The ancient lady will fall from her high place,

And many of the same sect will be killed.

(Century 2, Quatrain 51)

"Napolean: The Great Prince & Emperor"

An Emperor will be born near Italy,

Who will cost the Empire dearly,

It will be said when his allies are seen,

That he is less a Prince than a butcher.

(Century 1, Quatrain 60)

"Adolph Hitler & Germany"

Beasts ferocious from hunger will swim across rivers,
The greater part of the region will be against Hitlar,
The great one will cause it to be dragged in an iron cage,
When the German child will observe nothing.

(Century 2, Quatrain 24)

اِن پوری ہوچکی پیشگوئیوں کا جائزہ لینے کے بعد اب ایک نظر اُن تین معروف پیشگوئیوں کو بھی دیکھ لیا جائے، جو دنیا بھر میں سنسنی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ یہ تینوں پیشگوئیاں ماہرین کے مطابق 21 دسمبر 2012ء کے Doomsday فلسفہ کی وکالت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ پہلی پیشگوئی ناسٹرا ڈیمیس کی سو قطعات پر مشتمل درجہ بندی میں آٹھویں درجہ کے ستترویں قطعہ میں وارد ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ناسٹرڈیمیس کی کہانت اس پیشگوئی میں کیا انکشاف کرتی ہے:

"Doomsday 2012"

The antichrist very soon annihilates the three,
Twenty-three years his war will last,
The unbelievers are dead, captive, exiled,
With blood, human bodies, water and red hail covering the earth.

(Century 8, Quatrain 77)

مذکورہ بالا پیشگوئی میں ''دجال'' (Antichrist) کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، جو ناسٹراڈیمیس کے بقول 23 سال تک جنگ و جدل بپا کیے رکھے گا۔ پیشگوئیوں کے ماہرین کے مطابق یہ 23 سالہ جنگ و جدل پر مبنی دور نومبر 1989ء میں اشتراکیت کے نمائندۂ اعظم ''سوویت یونین'' کے انہدام کے بعد شروع ہو چکا ہے۔ اب یہ جنگ سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار عیسائی مغرب اور احیاء کی طرف گامزن اسلامی بلاک کے درمیان ہے۔ اہلِ مغرب کے نزدیک دجال اور اُس کا لشکر اسلامی کیمپ کی نمائندگی کرے گا، جو 23 سال تک اہلِ مغرب سے ''خفیہ جنگ'' کے انداز میں برسرِ پیکار رہیں گے۔ حالانکہ حقیقت میں دجال کی نمائندگی مغرب اور اُس کی فوجیں کر رہی ہیں، جو حق کے مدعیان کو دنیا بھر میں چن چن کر قتل کرنے میں مصروف ہیں۔ اکثر ماہرینِ سیاسیات، جن میں ''فرانسس فوکو یاما'' (Francis Fukuyama) معروف ہیں، نے اشتراکیت اور سرمایہ داریت کے مابین چلنے والی ''سرد جنگ'' (Cold War) کے خاتمے کو درحقیقت ''تاریخ کا خاتمہ'' (End of History) قرار دیا، کیونکہ اُن کے بقول مغربی تہذیب اور اشتراکیت کے مقابلے میں اب کوئی ایسی مزاحمتی قوت باقی نہ رہی تھی، جسکی موجودگی ایک محرک تاریخ (Dynamic History) کی تشکیل کے لیے اہم کردار ادا کرے۔ [2]

1989ء میں پاکستان پر ''پریسلر ترمیم'' کے تحت لگنے والی پابندیاں اُس جنگ کی ابتداء تھیں جو اسلامی دنیا کے خلاف لڑی جانے والی تھی۔ ان پابندیوں سے پہلے پاکستان امریکہ کے صفِ اوّل کے دوستوں میں شمار ہوتا تھا،

لیکن پریسلر ترمیم کے بعد مغربی بلاک میں پاکستان مشکوک اور دہشت گردوں کے حمایتی ملک کے طور پر متعارف کروایا گیا۔ اسکے بعد 1991ء میں امریکہ کی سرکردگی میں مغربی فوجی اتحاد نے عراق پر حملہ کر کے اُمتِ مسلمہ کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز کر دیا۔ تب سے آج تک یہ جنگ کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے اور لاشیں گرنے، آگ برسنے اور خون کے دریا بہنے کا سلسلہ کبھی افغانستان، عراق اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات سوات، وزیرستان اور بلوچستان میں جاری ہے۔

23 سالوں پر محیط یہ دور 2012ء میں ختم ہو جائے گا، کیونکہ نومبر 1989ء سے دسمبر 2012ء تک کا عرصہ عین 23 سال ہی بنتا ہے۔ اس تناظر میں موجودہ پیشگوئی 21 دسمبر 2012ء کی بطور ''روزِ تباہی'' (Doomsday) کے حوالے سے رائج عالمگیر فکر کو اور مضبوط کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

دسمبر 2012ء میں رونما ہونے والے فلکیاتی حادثہ کے بارے میں بیان کردہ پیشگوئی اب ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس میں بہت واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ آسمان پر ''دو سورج'' بادلوں میں سے ظاہر ہوں گے۔ یقیناً یہاں دوسرے سورج سے مراد اُس سیارے کا آسمان دنیا پر اچانک ظہور ہے، جسے ہم ''نبیرو سیارہ'' یا Planet X کے نام سے جانتے ہیں۔

"The Appearance of Nibiru or Planet X"

The great star for seven days will burn,
The cloud will make two suns appear,

The great mastiff (dog) will be all night howling,
When great pontiff changes his land.
(Century 2, Quatrain 41)

مذکورہ بالا پیشگوئی میں ایک ستارے (درحقیقت نیبرو سیارہ/ پلینٹ ایکس) کے سات دنوں تک جلنے اور بادلوں میں سے اس طرح ظاہر ہونے کا ذکر ہے، جیسے یہ دوسرا سورج ہو۔ اس ستارے کے اچانک ظہور کے نتیجے میں ناسٹرا ڈیمیس کے مطابق زمین پر کچھ شدید نوعیت کی تبدیلیاں بھی رونما ہوں گی۔ زمین کا جغرافیہ بدل جائے گا اور لوگ ادھر سے اُدھر منتقل ہوتے پھریں گے۔ کچھ اہم لوگ جیسا کہ پاپائے روم وغیرہ بھی خطرے والے مغربی حصہ سے محفوظ علاقوں کی طرف نکل کھڑے ہوں گے۔

اگرچہ اس پیشگوئی میں ستارے کے نمودار ہونے کی کوئی تاریخ نہیں دی گئی، تاہم اس امر کی یہاں پر کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی۔ ہم پہلے ہی جان چکے ہیں کہ پلینٹ ایکس کا ظہور کب ہوگا اور اس بات کی تصدیق کے لیے ہمارے پاس کون کون سے سائنسی شواہد موجود ہیں۔ ناسٹرا ڈیمیس کا اشارہ لازمی طور پر اسی سیارے کی طرف ہے، جو زمین کے بہت قریب سے گزرے گا اور زمین پر اپنی ثقیل کشش کے باعث گہرے اثرات چھوڑے گا۔ بلاشبہ پلینٹ ایکس دسمبر 2012ء میں ایک ڈراؤنے خواب کی طرح نمودار ہوگا۔

ناسٹرا ڈیمیس کی پیشگوئیوں کا اکیسویں صدی میں ہونے والے فلکیاتی حادثہ کے حوالے سے سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ کئی اور قطعات

میں آگ کی دم والے ستارے، داڑھی والے ستارے اور خوفناک تباہی والے ستارے کے الفاظ ملتے ہیں۔ وہ اس ستارے کے مختلف رُوپوں کے بارے میں بات کرتا ہے اور اُس کے نمودار ہونے کے اثرات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ ابھی جو پیشگوئی ذیل میں پیش کی جا رہی ہے، اُس میں تباہ کن واقعات کی ابتداء اور ستارے کے ظہور کے متعلق ایک ٹائم فریم بھی دیا گیا ہے۔

After a misery for mankind,
An ever greater approaches,
The great cycle of the centuries renewed,
It will rain blood, milk, famine, war, disease,
In the sky will be seen a great fire dragging a trail of sparks.

(Century 2, Quatrain 46)

اس قطعہ میں "The great cycle of the centuries renewed" کے الفاظ انتہائی توجہ طلب ہیں۔ یہیں اسی سطر میں وہ نکتہ ہے جو ہمارے لیے ٹائم فریم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سطر کا مفہوم ہے ''جب صدیوں کا عظیم چکر نئے سرے سے شروع ہوگا۔'' اس کے بعد پیشگوئی میں وارد ہونے والی سطور صراحتاً بتا رہی ہیں کہ اس عمل کے ساتھ ہی کچھ دلدوز واقعات کی ابتداء بھی ہوگی، جیسا کہ آگ اور خون کی ہولی کھیلی جائے گی اور دنیا میں جنگ، قحط، بیماریاں، دکھ اور تباہی ہوں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب ایک چمکتا دمکتا ستارہ آگ کی مانند زمین کے پاس آن پہنچے گا۔ صدیوں کے عظیم چکر کی نئی شروعات سے مراد تیسرے ہزاریئے (3rd Millennium) کا آغاز ہے، جب گنتی دو

ہزار تک پہنچ جانے کے بعد دوبارہ صفر سے شروع ہوگی۔ کیلنڈر کا 2000ء تک پہنچ جانا درحقیقت ہندسوں کے واپس صفر پر آنے کے مترادف ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے، کیونکہ اگلی صدی کی شروعات کے ساتھ ہی ستمبر 2001ء میں آگ اور خون کی عالمگیر ہولی ایسی شروع ہوئی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ اب ہمیں آگ جیسے سرخ ستارے (Red Planet) کی جلد آمد کا انتظار کرنا چاہیے، جس کی آمد کا وقت یقیناً دسمبر 2012ء کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

سبیلین رومی کاہنہ (Sibylline the Oracle) کا دورِ حیات چھٹی صدی قبل مسیح ہے۔ سبیلین کاہنہ کی خاص بات یہ ہے کہ اُس نے یونانی مفکر سقراط کی پیدائش اور عروج کی پیشگوئی کم از کم ایک صدی پیشتر کر دی تھی۔ اس کے علاوہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، بعثت اور یہود کی اُن سے دشمنی کی خبر بھی اپنی پیشگوئیوں کے ذریعے دے چکی تھی۔ یہی وہ امر تھا جس کی بنیاد پر دورِ اولیٰ کے عیسائیوں نے سبیلین رومی اور اُس کی پیشگوئیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اُسے خدا کی طرف سے مقرر ''پیغمبرِ مسیح'' قرار دیا۔ مزید برآں، قسطنطینِ اعظم (Constantine the Great) کی سلطنتِ روما پر بادشاہت کی خبر بھی سبیلین نے لگ بھگ آٹھ سو سال قبل ہی دے دی تھی۔ یہ وہ تین باتیں ہیں، جو سبیلین کی کہانت کو تاریخِ کہانت میں انتہائی معتبر بناتی ہیں اور سبیلین کو کاہنوں میں ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔ سبیلین کی پیشگوئیاں شاعری کی صورت میں ہوا کرتی تھیں۔ انھیں برگد کے پتوں اور پاپائرس کے صحائف پر درج کرلیا

جاتا اور سلطنتِ روما کی سرکاری تحویل میں رکھا جاتا تھا۔ رومی بادشاہان ہر معاملے بالخصوص جنگی مہمات کی ابتداء سے پہلے سبیلین کاہنہ سے مشورہ اور رہنمائی لیا کرتے تھے۔

یہاں سبیلین کاہنہ کی صرف ایک پیشگوئی پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ باقی پیشگوئیاں طویل اور پیچیدہ ہیں۔ موجودہ پیشگوئی بھی بجائے کوئی ٹائم فریم دینے کے محض اُن حالات پر تبصرہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے، جو اکیسویں صدی کے آغاز میں ہی پیدا ہو جائیں گے اور یوم قیامت کو اپنی انتہا پر پہنچ جائیں گے۔

"Fire shall come flashing forth in the broad heaven, and many cities burn and men destroy, and much black ashes shall fill the great sky, and small drops like red earth shall fall from heaven, and then know the anger of the God of Heaven." –

(The Sibylline Oracles, Book 4)

''آسمان سے آگ ہی آگ برسے گی، اور بہت سارے شہر جل کر راکھ ہو جائیں گے اور بے شمار لوگ مر جائیں گے۔ آسمان سیاہ راکھ سے بھر جائے گا اور سرخ مٹی جیسے چھوٹے چھوٹے قطرے زمین پر برسیں گے، اور پھر جان جاؤ کہ یہ آسمان کے خدا کا تم پر عذاب ہوگا۔''

یہ پیشگوئی اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے جس تناظر میں آتی ہے،

وہ دورِ جدید کی ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ متن سے ظاہر ہے کہ آسمان سے آگ برسنے کا عمل محض طیاروں کی بمباری کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ موجودہ دور میں امریکہ، روس اور دیگر یورپی ممالک کی طرف سے تیار کردہ بمبار طیارے ایک ہی وقت میں سینکڑوں بم برسا سکتے ہیں، جبکہ کچھ بم ایسے بھی ایجاد ہو چکے ہیں جو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر مختلف اہداف پر بیک وقت آگ برسانے کا کام دیتے ہیں۔ ان کو "کلسٹر بم" (Cluster Bomb) کہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ آخری عالمگیر جنگ کی طرف اشارہ ہے، جو کسی بھی وقت شروع ہو کر ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو یقیناً کرۂ ارض سے نسلِ انسانی کا صفایا ہو جائے گا کیونکہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کا استعمال ہر ذی روح کو موت کی گھاٹی میں پہنچا دے گا۔

تاہم سبیلین کاہنہ کی یہ پیشگوئی پلینٹ ایکس کے زمین کے قریب آنے اور ممکنہ تصادم کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دنیا ہزاروں ایٹم بموں کی شدت کے دھماکوں سے بھسم ہو جائے گی اور زمین کی فضا کے ساتھ ساتھ سطحِ زمین بھی آگ ہی آگ سے بھر جائے گی۔ بے شک یہ وقت زمین کا آخری وقت ہو گا اور زمین تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گی۔ آسمان سے سرخ انگارے برسیں گے اور جہاں بھی گریں گے ہر چیز کو تہس نہس کرتے چلے جائیں گے۔

یہ پیشگوئیاں کسی بھی طرف اشارہ کرتی ہوں، اس چیز سے قطع نظر ایک بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دنیا کا سفر اپنے آخری مراحل

میں ہے۔ کوئی بہت بڑی تباہی نازل ہونے کے بے حد قریب ہے اور یہ کچھ اور نہیں، بلکہ خدا کی طرف سے یہ آج کے مادیت پرست اور لادین معاشرے کے لیے ''عذابِ عظیم'' ہوگا۔ بلاشبہ یہ وقت معافی تلافی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مومن کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حوالہ جات

1. a. Peter Lemesurier, *The Unknown Nostradamus*, New York, 2003

b. Peter Lemesurier, *The Nostradamus Encyclopedia*, New York, 1997

2. Fukuyama, Franics, *The End of History and the Last Man*, New York: The Free Press, 1992, "Preface"

باب ۱۱

قیامت، جمعۃ المبارک اور

21 دسمبر 2012ء

Doomsday, Friday & 21 December 2012

اِسلام میں جمعہ کا دن انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اسے ہفتہ کے تمام دنوں کا سردار قرار دیا گیا ہے۔ یہ دن اپنی اہمیت کے پیشِ نظر سب مسلمانوں کیلئے ہفتہ بھر کے احتساب اور برادر مسلمانوں سے میل جول کا ایک اہم موقع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس دن مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کے فرمان کے مطابق تیار ہو کر مساجد کا رُخ کرتے ہیں، بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں اور نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر لوگوں سے گلے ملتے ہیں۔ مسلمانوں کے اس عمل سے نہ صرف قربتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے، بلکہ معاشرے میں محبت اور اتفاق کے پہلو بھی مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جس طرح یہودیوں کیلئے ہفتہ (جس کو وہ ''سبت'' Sabbath کہتے ہیں) کا دن اور عیسائیوں کیلئے اتوار (Sunday) کا دن مذہبی اہمیت کا حامل ہے، بالکل اُسی طرح اسلام نے جمعہ کے دن کو ''مبارک و افضل'' ٹھہرایا۔ جمعہ کی اسی عظمت کے باعث مسلمان

اسے محض جمعہ کہنے کی بجائے ''جمعۃ المبارک'' کے نام سے پکارنا پسند کرتے ہیں۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے وقت جمعہ کی پہلی نماز ''مسجدِ قبا'' میں ادا کی اور یوں آپ ﷺ نے ایک ایسے عظیم عمل کی داغ بیل ڈالی، جس کا سلسلہ اُس دن کے بعد آج تک کبھی نہیں رُکا۔ قرآن میں جمعہ کے دن کی اہمیت اور اس کے احکام کے موضوع پر ایک مکمل سورت ''سورۃ الجمعہ'' کے نام سے موجود ہے۔ اس کے علاوہ کتبِ حدیث میں یوم جمعہ کے متعلق احکام اور فضیلت پر مبنی علیحدہ باب قائم کیے گئے ہیں، کیونکہ احادیث کے مختلف مجموعات میں جمعہ کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہیں۔ ان باتوں کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ عہدِ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک اہلِ اسلام کے ہاں جمعہ کے دن کو کس قدر عزت و تکریم دی جاتی رہی ہے۔

اسلام میں جمعہ کے دن کی اہمیت کئی اور وجوہات کے باعث بھی ہے۔ تاہم ان دیگر وجوہات سے عام مسلمان پورے طور پر واقف نہیں۔ اسلامی تاریخ میں جو مختلف واقعات یومِ جمعہ کے حوالے سے موجود ہیں، اُن میں سے ایک کے مطابق تخلیقِ آدم علیہ السلام جمعہ ہی کے دن ہوئی، جبکہ نسلِ آدم علیہ السلام کا اختتام بھی اسی دن کو ہوگا۔ یعنی آسان تشریح میں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی سے لے کر کائنات کی بساط لپیٹنے تک کے عوامل کو اسی ایک دن سے منسوب کر رکھا ہے۔ بلاشبہ اس بات کی بازگشت احادیثِ نبوی ﷺ کے اندر کئی جگہوں پر سنائی دیتی ہے کہ قیامت کا سخت ترین دن درحقیقت ''یوم الجمعہ'' ہی ہوگا۔ کئی ایک مستند احادیث مذکورہ بالا نکتہ پر مختلف صورتوں میں روشنی

ڈالتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ذیل میں نقل کی جا رہی معتبر روایت بھی اسی سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جتنے دنوں میں آفتاب نکلا، اُن سب میں افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی دن جنت سے اُتارے گئے، اسی دن اُن کا قصور معاف ہوا، اسی دن اُن کی وفات ہوئی اور اسی دن قیامت واقع ہوگی [1]''

مزید برآں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی ایک اور جگہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دھر تلاوت فرمایا کرتے تھے [2]''

واضح رہے کہ ان دونوں سورتوں کا موضوع انسان اور قربِ قیامت کا زمانہ ہے۔ ان میں جہاں انسان کو اُس کی حیثیت یاد دلائی جا رہی ہے، وہیں اُس کو یہ بھی باور کروایا جا رہا ہے کہ قیامت ایک ناگزیر واقعہ ہے جس کا ٹلنا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں ایک اور جگہ پر اوّل الذکر حدیث ایک دوسرے صحابی سے تھوڑے مختلف انداز میں روایت کی گئی ہے۔ آیئے اُس روایت پر بھی ایک نظر ڈالے چلتے ہیں۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑا دن ہے۔ (گویا کہ) اللہ کے نزدیک یہ عیدالاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑا دن ہے۔ اس دن میں پانچ باتیں ہیں۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا کیا جانا۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اُتارا جانا۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وفات پانا۔

۴۔ قبولیتِ دُعا کی خاص گھڑی کا ہونا۔

۵۔ قیامت کا قائم ہونا[3]''

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ تاہم اس حدیث کا دوسری مستند کتبِ حدیث میں راویوں کی ایک علیحدہ سند کے ساتھ وارد ہونا اس کو ''صحیح'' کے درجہ پر لے جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی حیثیت اکثر محدثین کے نزدیک صحیح کی ہے۔

ان احادیث کی رُو سے یہ بات بڑے واضح انداز میں ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق قیامت اور جمعہ کا دن باہم ''لازم و ملزوم'' ہیں۔ نسلِ انسانی کے بابا ''حضرت آدم علیہ السلام'' کی تخلیق جب کی گئی تو وہ جمعہ کا دن تھا، جنتِ عدن سے نکالے جانے کے بعد اُن کی توبہ قبول ہوئی تو وہ بھی جمعہ ہی کا دن تھا، اور جب قیامت قائم کی جائے گی تو وہ بھی جمعہ کا دن ہی ہوگا۔ اب جب کہ ہم قیامت کے قریب ترین دَور میں رہ رہے ہیں اور نوے فیصد

پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں، تو اُوپر پیش کردہ احادیث سے ہم یہ بنیادی پیمانہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قیامت کے حتمی وقت کے متعلق ہر پیشگوئی کے ''صحیح'' یا ''غلط'' ہونے کی بنیادی شرط یہی ہے کہ جس دن کی بطور یومِ قیامت نشاندہی کی جائے وہ ''جمعتہ المبارک'' ہی کا دن ہو۔ اس کتاب میں پیش کردہ ہمارا مؤقف بھی مذکورہ بالا احادیث سے تقویت پاتا ہوا نظر آتا ہے۔ جبکہ اس بات میں اب مزید کوئی شک نہیں رہا کہ 21 دسمبر 2012ء کا دن بے شمار مضبوط اور قابلِ مشاہدہ شواہد کی روشنی میں یومِ قیامت ثابت ہوتا نظر آرہا ہے۔ قارئین کیلئے یہ بات یقیناً کسی ذہنی جھٹکے سے کم نہیں کہ 21 دسمبر 2012ء بھی درحقیقت ''جمعتہ المبارک'' ہی کا دن ہوگا۔ یوں ہمیں اسلامی نقطۂ نظر سے بھی ایک قوی اور مواخذہ سے مبرا دلیل حاصل ہو جاتی ہے، جو راقم الحروف کے اس کتاب میں پیش کردہ نقطۂ نظر کی تصدیق کرتے ہوئے 21 دسمبر 2012ء کی تاریخ کو موجودہ کیلنڈر میں باقی دنوں سے ممتاز بنا دیتی ہے۔ مزید برآں بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ قیامت محرم الحرام کے مہینے میں واقع ہوگی اور دن جمعتہ المبارک کا ہی ہوگا۔ اگر معاملہ کو اس زاویہ سے بھی دیکھا جائے تو بات بجائے بگڑنے کے بنتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، کیونکہ 21 دسمبر 2012ء کو اسلامی تقویم میں جو مہینہ عیسوی کیلنڈر کی مطابقت پر آئے گا، وہ بھی محرم الحرام ہوگا۔ قارئین اگر چاہیں تو باقی ماندہ دنوں کی خود گنتی کر لیں یا پھر اس معاملے کی مزید چھان بین کے لیے کسی معتبر تقویم کا سہارا لے لیں۔

اب اگلے مرحلے پر سوال یہ ہے کہ کیا 21 دسمبر 2012ء کے بارے

میں پہلے سے دستیاب شواہد کے علاوہ اس دن کی بطور جمعتہ المبارک شناخت از خود ایک بہت بڑا ثبوت نہیں؟ کیا قارئین اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں کہ 21 دسمبر 2012ء کے پیشگی مطلع شدہ دن اور جمعتہ المبارک میں مطابقت محض اتفاق نہیں؟ کیا اب بھی اس دن کے اندر چھپی خوفناک حقیقت کے اعتراف میں کوئی کمی رہ گئی ہے؟ اتنے سارے ثبوتوں کی موجودگی میں اب یقینی طور پر ایسا کہنا ممکن نہیں کہ 21 دسمبر 2012ء بھی باقی سب دنوں کی طرح ایک عام سا دن ہوگا۔ 21 دسمبر 2012ء کی تاریخ میں لازماً ایسا کچھ خاص ''اسرار'' موجود ہے کہ انسانی علم کی تمام شاخیں اسی ایک دن کا ہی بطورِ یومِ قیامت تعین کر رہی ہیں۔ منطقی ذہن رکھنے والے لوگ جان چکے ہیں کہ اس ایک اسلامی کڑی کا مل جانا درحقیقت بہت سی کڑیوں کے باہم مل جانے کے مترادف ہے۔ چونکہ ایک مسلمان کیلئے تمام بیرونی شواہد سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اسلام ایسے امور پر کیا تعلیم دیتا ہے، لہٰذا اُس کے شکوک کی تسکین کی خاطر احادیث کے حوالہ جات اس موضوع کی صحت کے لیے ازحد لازمی ہیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم اپنے نقطہ نظر کے اثبات کے لیے متفرق احادیث سے استفادہ بھی کر چکے ہیں۔ مزید برآں ہم کتاب ہذا میں قیامت کے حوالے سے آج رائج تقریباً سبھی عقائد اور معلومات کو زیرِ بحث لا چکے ہیں۔ تصورِ مہدیت، نزولِ مسیح علیہ السلام اور فتنۂ دجال کا تحقیقی و تعمیری جائزہ بھی لیا جا چکا ہے، اور جو تمام ممکنہ تشریحات سامنے آسکتی تھیں وہ بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے رائج الوقت عقائد اِسلامی تعلیمات کا حصہ کافی عرصہ

گزر جانے کے بعد بنے۔ لہٰذا ایسے عقائد و تصورات سے معاملہ کرتے ہوئے ایک محقق کو غیر متعصب ہو کر بال کی کھال اتارنی چاہیے۔ اسی میں اسلام اور اُمتِ مسلمہ دونوں کی بھلائی ہے۔ آج جہاں ہمیں وقت کے ساتھ رواج پا جانے والے تصورات کو اسلام کی اصلی تعلیمات سے جدا کرنے کی ضرورت ہے، وہیں ہمیں سائنسی ترقی، بیرونی حقائق اور مستقبل کے خطرات کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے اور جرأت و ہمت سے اُن کا سامنا کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

21 دسمبر 2012ء اگر ''یوم الجمعہ'' نہ ہوتا، تو پھر موجودہ موضوع کی نسبت بہت سی اشکالات سامنے آسکتی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ پھر اس کتاب کو لکھنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ لیکن جب مستند احادیث سے ثابت ہو چکا کہ قیامت جمعہ ہی کے روز وقوع پذیر ہو گی اور یہ کہ 21 دسمبر 2012ء بھی جمعہ ہی کا دن ہے۔ تو یہ بات محض اتفاق سے کہیں آگے بڑھ گئی۔ اس تحقیق کو شروع کرنے سے پہلے راقم الحروف کے نزدیک تمام رائج الوقت سائنسی تصورات اور تحقیقات کے صحیح ہونے کی صرف ایک ہی شرط تھی کہ جس دن کا تعین مغربی سائنسدان اور دیگر ماہرین بطور یومِ قیامت (Doomsday) کر چکے ہیں، وہ جمعہ کے علاوہ کوئی اور دن نہ ہو۔ لیکن جب تقویم میں دیکھا گیا تو قدیم و جدید پیشگوئیوں میں مکرّر یہ دن جمعتہ المبارک ہی ثابت ہوا۔ درحقیقت یہ ثبوت اس کتاب کے پروجیکٹ میں شامل سبھی تحقیق کاروں کیلئے بھی ابتدائی طور پر حیرت کے جھٹکے سے کم نہ تھا۔

اس نکتہ پر پہنچ کراب یہ بات موزوں لگ رہی ہے کہ جمعہ اور قیامت کے باہمی تعلق کے حوالے سے مزید دلائل دینے سے گریز کیا جائے۔ لہٰذا اَب یہ معاملہ قارئین پر چھوڑا جارہا ہے کہ وہ اس کتاب میں موجود تفصیلات اور دیگر دستیاب ذرائع کی مدد سے خود منطقی اور غیر متعصب نتائج پر پہنچ کر حقیقت کا ادراک کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح قارئین خود فیصلہ کرسکیں گے کہ کتاب ہذا میں پیش کردہ ثبوتوں اور زمینی حقائق میں باہم کتنا ربط اور ہم آہنگی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سنن ابی داؤد۔ باب تفریع ابواب الجمعہ: حدیث نمبر 1033،
موطا امام مالک، باب یوم الجمعہ۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجمعہ: حدیث نمبر 1854

۲۔ صحیح بخاری۔ باب یوم الجمعہ: حدیث نمبر 500

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ باب فضل الجمعہ: حدیث نمبر 1084

باب۱۲

نزولِ مسیح علیہ السلام اور فتنۂ دجال

The Second Coming of Christ & the Antichrist Turmoil

ہماری موجودہ بحث عقل وخرد سے زیادہ قرآن اور مستند کتبِ احادیث میں موجود تعلیماتِ نبوی ﷺ پر مبنی ہے۔ اور جو عقائد اِن بنیادی ماخذوں سے اخذ کیے گئے ہیں، اُن سے انکار کسی طور بھی ممکن نہیں۔ تاہم اس ضمن میں دورِ جدید کے محققین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے الفاظ کی ''لفظی'' کے ساتھ ساتھ ''اصطلاحی'' اور دیگر تمام ممکنہ تشریحات بھی کر سکیں، جو سیاق وسباق سے متفق ہوں۔ مثال کے طور پر احادیثِ نبوی ﷺ میں قربِ قیامت کے دور کی جنگی مہمات میں جس ہتھیار کے استعمال کی بات کی گئی ہے، وہ ''تلوار'' ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ عصر حاضر کی مادی تہذیب اپنی تکنیکی و سائنسی ترقی کی بدولت پورے کرۂ ارض کو گھیرے میں لے چکی ہے۔ اگر کوئی مشین امریکہ میں تیار کی جاتی ہے تو اُس کے پرزہ جات آسٹریلیا اور چین میں بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ برطانیہ میں چلنے والا ٹی وی چینل پاکستان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ انٹرنیٹ کی بدولت ساری دنیا سکڑ کر ہماری کمپیوٹر سکرین میں

آ گئی ہے۔ انسان کی ناقابلِ یقین ترقی کو دیکھ کر مرزا غالبؔ کا یہ شعر بار بار ذہن میں آتا ہے کہ:

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

آج ہم یہ کہنے میں پوری طرح حق بجانب ہیں کہ قیامت جیسے آفاقی حادثہ کے بغیر موجودہ مادی تہذیب کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں۔ ماضی کی تہذیبیں محدود حدودِ اربعہ کی حامل ہوا کرتی تھیں اور امتدادِ زمانہ کے خلاف اُن کی قوت مدافعت بھی آج کی نسبت بہت کم تھی۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اسلامی تہذیب اور یورپی نشاۃ الثانیہ (Renaissance) سے پہلے کی سبھی تہذیبیں عموماً اپنی اندرونی ناپائیداری کے باعث بہت جلد سقوط کا شکار ہو کر گردشِ زمانہ میں گم ہو جایا کرتی تھیں۔ تاہم جدید تہذیب کسی بھی اعتبار سے اتنی ناپائیدار نہیں کہ اس کے یوں مٹ جانے کا خدشہ ہو۔ مزید برآں اگر آج عالمگیر ایٹمی جنگ بھی چھڑ جاتی ہے یا ہماری دنیا کسی شدید نوعیت کے قدرتی حادثے کا شکار ہو جاتی ہے تو بھی اِس بات کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ دورِ جدید کی عالمگیر تہذیب کلیۃً چہرۂ ارض سے مٹ جائے۔ لہٰذا یہ بات تو طے ہے کہ عصرِ حاضر کا انسان پھر سے پتھر کے زمانے میں جانے کے خوف سے مکمل طور پر آزاد ہو چکا ہے اور اب ایسا کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ انسان کو پھر سے کبھی تلوار کے استعمال کی نوبت پیش آئے۔ چونکہ احادیث نبوی ﷺ تلوار کا لفظ استعمال کرتی نظر آتی ہیں، اس لیے ہمیں پورے معاملہ کی فکری تعمیر نو کرنا ہو

گی۔ تو کیا ہم ایک ایسی چیز کو جو کہ آج کے دور میں مستعمل ہی نہیں اِس سے مراد ایک ایسے انفرادی ہتھیار کو لیا جائے، جس کی استعاراتی تشریح فی زمانہ ممکن ہو؟ یقیناً تلوار کے استعمال کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ تلوار کا لفظ علامتی طور پر اُس ہتھیار کیلئے استعمال کیا گیا ہے جو عصر حاضر کی سپاہ کے ہر رُکن کیلئے لازمی حیثیت رکھتا ہے۔ ماضی میں چونکہ سب سے اہم انفرادی ہتھیار جو دورانِ جنگ استعمال کیا جاتا تھا تلوار ہی تھا۔ اس لیے ہم استدلال کر سکتے ہیں کہ آج کے دور میں ''بندوق'' تلوار والا کردار ادا کر رہی ہے، کیونکہ دورِ جدید کی جنگوں میں ہر سپاہی کیلئے بندوق بنیادی جنگی ہتھیار ہے۔ مزید برآں اگر تیر کمان کا متبادل دیکھا جائے تو بڑی جسامت کی مشین گنوں (MGs) کی صورت میں بالکل اُسی نہج پر کام کرنے والا ہتھیار موجود ہے۔ اور اگر نیزے کی جدید تشریح کی جائے تو ہینڈ گرنیڈ پر یہ علامت صادق آتی ہے۔ گھوڑے سے مراد ٹینک یا بکتر بند گاڑی ہوسکتی ہے، جن پر سوار سپاہ میدان جنگ میں نسبتاً محفوظ رہتی ہے۔ موجودہ بحث میں یہ امر واضح ہے کہ اِس تشریح میں ہتھیار از خود بنیادی نکتہ نہیں، بلکہ تشریح کی بنیاد وہ اصول ہے جس کے تحت اِن ہتھیاروں کے کردار اور اہمیت کی تعریف کی جاتی ہے۔

قربِ قیامت (Apocalypse) پر تحقیق کے لیے ایک اور اہم اصول جو قیامت کے مطالعہ کاروں کے ہاں رائج ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں رائج تمام پیشگوئیوں کو (قطع نظر اس کے کہ اُن کا تعلق کس مذہب سے ہے) علامتی و استعاراتی انداز سے سمجھا اور بیان کیا جائے۔ اِس اصول کو

اپنانے کا جو مقصد بظاہر سامنے آتا ہے، وہ اِس بات کے سوا کچھ نہیں کہ چونکہ زمانۂ قدیم کے لوگ اُس ماحول سے قطعاً ناواقف تھے جس کے بارے میں پیشگوئیاں کی گئیں۔ لہٰذا انبیاء اور دیگر پیشگوؤں (Prophesiers) نے ایسی کوئی منظر کشی نہیں کی، جس سے مخاطبین اچنبھے کا شکار ہو جائیں۔ بلاشبہ ماضی کا انسان ٹینک، ہوائی جہاز، مشین گن، توپ، آبدوز، بیلسٹک میزائل، کروز میزائل اور ایٹم بم نامی تباہ کن ہتھیاروں کا ادراک اپنے تحت الشعور کے کروڑویں حصے میں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن لوگوں سے قربِ قیامت کے واقعات پر مبنی باتیں بالکل اُسی پیرائے میں بیان کی گئیں، جن کو سمجھنے میں انہیں کوئی دُشواری نہ ہو۔ اسلامی زاویۂ نگاہ سے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو علاماتِ قیامت بالکل اُسی انداز میں بیان فرمائیں، جو ساتویں صدی عیسوی کے عرب معاشرے میں رہنے والے کسی ذہین ترین انسان کے عقل و شعور سے متصادم نہ تھا۔ پھر صحابہ نے اس امانت کو بڑی احتیاط اور اہتمام کے ساتھ اگلی نسلوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا۔

اس تمہیدی گفتگو کے پس منظر میں یہ مقصد کارفرما تھا کہ اِس بات کو حالات و واقعات کی روشنی میں طے کر لیا جائے کہ ''نزولِ مسیح علیہ السلام'' اور ''فتنۂ دجال'' کا زمانہ درحقیقت موجودہ عہد ہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ احادیثِ نبوی ﷺ میں مذکورہ بالا دونوں واقعات کی جو علامات بیان کی گئی ہیں، وہ استعاراتی انداز میں آج ہی کے زمانے پر پوری ہوتی نظر آتی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں انسان جس حد تک ترقی کر چکا ہے، اب

اِس سے آگے مزید ترقی ممکن نظر نہیں آتی۔ عالمِ رنگ وبُو کا ایک ناقابلِ تبدیل اصول ہے کہ ''ہر عروج کو زوال ہے''، اور اسی اصول کے تحت موجودہ ترقی جو کہ اپنی معراج پر کھڑی ہے کی تنزلی کا سفر کسی بھی لمحے شروع ہو سکتا ہے۔ تاہم ماضی کے برعکس یہ زوال وقتی نہیں، بلکہ حتمی ہوگا، اور انسان اِس کے بعد دوبارہ کبھی اُٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ مادی ترقی کی عالمگیر تہذیب کے زوال کیلئے واقعات وحادثات بھی اُسی پیمانے پر ہونے چاہئیں جن کا اثر عالمگیر سطح پر محسوس کیا جائے اور جو ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیں۔ یقیناً ایسا ہونا شروع ہو چکا ہے۔ اِسطرح کے واقعات کی پہلی مثال نومبر 1989ء میں ''دیوارِ برلن'' کا گرنا ہے، جو کہ سیاسی حلقوں میں سوویت یونین اور اسکے اشتراکی نظام (Communism) کے انہدام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرز کا ایک اور گہرے اثرات کا حامل واقعہ 11 ستمبر 2001ء کو ''امریکی ورلڈ ٹریڈ سنٹر'' (WTC) اور ''پینٹا گون'' (Pentagon) پر دہشت گرد حملوں کی صورت میں پیش آیا اور اِس کا اثر دنیا بھر میں گہرائی تک محسوس کیا گیا۔

احادیث نبوی ﷺ میں قربِ قیامت کے جن واقعات کو مفصّل یا اشارۃً بیان کیا گیا ہے وہ سبھی اپنے سیاق وسباق میں علاقائیت کی بجائے عالمگیریت کا عنصر اٹھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بلاشبہ ایک عالمگیر واقعہ ہوگا۔ جسکا براہِ راست اثر تین عالمگیر مذاہب کے پیروکاروں پر پڑے گا اور وہ تین کی بجائے دو گروہوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ (الف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقتدی بن جائیں گے اور (ب) آپ علیہ السلام

کے مخالفین بن جائیں گے۔ مخالفین کا یہی طبقہ ''دجالی کیمپ'' (Antichrist Camp) کی نمائندگی کرے گا اور یوں دنیا ایک باقاعدہ اصول کے تحت دو حصوں میں بٹ جائیگی۔ ہم اس موقع پر معاملات کی زیادہ گہرائی میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ علاماتِ قیامت اور تصورِ قیامت کے موضوعات پر ایک علیحدہ باب میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے۔ تاہم اگلے صفحات میں اس بات کا جائزہ تحقیقی انداز میں لیا جائیگا کہ نزول مسیح علیہ السلام اور فتنہ دجال کی موجودہ تناظر میں نوعیت کیا ہوگی؟

مسلمان، عیسائی اور یہودی دنیا کی کل آبادی کا تقریباً ساٹھ فیصد (60%) ہیں۔ جبکہ باقی مذاہب اور اُن کے پیروکار عالمی سیاسی، معاشی اور مذہبی اُفق پر اس حد تک موثر بھی نہیں، جس سطح پر یہ تینوں ابراہیمی مذاہب موثر اور اِن کے ماننے والے عالمی منظرنامے پر متحرک نظر آتے ہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا براہِ راست اثر دُنیا کی اِس 60% آبادی سے تعلق رکھنے والے افراد پر ہوگا، جو یا تو فوراً ایمان لے آئیں گے یا پھر کافر قرار پائیں گے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اُن پر گواہ ہوں گے۔''

(سورۃ النساء،۴:۱۵۹)

یہ آیت نزول مسیح کے عقیدہ کو بنیاد فراہم کرتی ہے۔ بلا شک وشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (بعد از نزول) اُخروی کردار پر مبنی ہر بحث کا آغاز اسی فرمانِ خداوندی کو بنیاد بنا کر کیا جاتا ہے۔ مزید برآں جتنی بھی احادیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے موضوع پر کتبِ حدیث میں موجود ہیں اُن سب کو یہی آیت تحفظ (Legitimacy) فراہم کرتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی موضوع کا احادیث میں بکثرت پایا جانا اور اُس کا قرآن میں محض ہلکا سا اشارہ ہی مل جانا دراصل اُس موضوع کو دینیاتی طور پر متوازن کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے سلسلے میں احادیث اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ اُن کو ''متواتر'' کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ اس لیے اُن کا انکار تحقیقی اعتبار سے ناممکن ہے۔ اسی سلسلے میں ایک کثرت سے روایت کی گئی حدیث ذیل میں درج کی جا رہی ہے، جس کو شیخین (بخاری ومسلم) نے روایت کیا ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد اور اس کے بعد ان کے کردار پر جامع انداز میں روشنی ڈالتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ایسا ضرور ہوگا کہ ابن مریم علیہ السلام تم میں نازل ہوں، جو کہ منصف حاکم ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ دیں گے اور دین اسلام کو سربلند کریں گے اور خنزیر کو قتل کریں

گے اور جزیہ لینا بند کر دیں گے۔ مال کی بہتات ہو گی۔ حتیٰ
کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ ایک سجدہ ساری دُنیا
اور جو کچھ اِس میں ہے، سے بہتر ہو گا۔''

(متفق علیہ)

نزول مسیح کے تصور کو سمجھنے کیلئے لازمی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے والے نکتے کو پہلے پرکھا اور سمجھا جائے۔ اگر یہ عقیدہ قرآن پاک سے باہر محض کتبِ حدیث میں موجود ہوتا تو اِس پر تحقیقی اسالیب کے اصولوں کے مطابق اعتراضات ممکن تھے۔ لیکن چونکہ اس امر کی وضاحت اللہ ربّ العزت نے خود قرآن میں فرما دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھا لیے گئے ہیں۔ اس لیے اس پر کوئی عقلی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ منطق کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندہ زمین پر واپسی کیلئے سب سے اہم شرط بھی یہی ہے کہ وہ زندہ ہی آسمان پر اٹھائے گئے ہوں۔ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زمین پر واپسی، اُن کا اہلِ زمین پر حکومت کرنا اور تمام اقوامِ عالم کو (عیسوی) ایمان پر اکٹھے کرنے کو مانتے ہیں۔ لیکن اسلام سے اُن کے جو دو بنیادی اختلافات ہیں، وہ یہ ہیں کہ -- پولس (Saint Paul) کے بقول -- حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانی گناہوں کے کفارہ کیلئے مصلوب ہوئے تھے۔ اور یہ کہ وہ اپنی موت کے تیسرے دن جی اٹھے تھے۔ جس کے بعد لگ بھگ چالیس دن وہ زمین پر رہے اور پھر آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ چالیس دن زمین پر رہنے کا تذکرہ لوقا کی انجیل میں ہے۔ جبکہ باقی تینوں انجیلوں کے مصنفین اس امر پر باہمی

اختلاف رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور وہ صلیب پر مرے نہیں اور نہ ہی اُن کو کسی اور ذریعہ سے قتل کیا گیا۔ وہ ہر طرف اور ہر طرح سے محفوظ رہے اور بعد میں آسمانوں پر اٹھا لیے گئے۔ یہاں واضح یہ ہوا کہ مسلمان اُن کے زندہ اٹھائے جانے، زندہ واپسی اور بالآخر طبعی وفات ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ جبکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر قتل ہونے، حالتِ موت سے دوبارہ زندہ ہونے، آسمان پر اٹھائے جانے، قربِ قیامت میں اُن کی واپسی اور اُس کے بعد ہمیشہ زندہ رہ کر بادشاہت کرنے کے عقیدہ پر قائم ہیں۔

قرآن مجید کا اِس متنازع معاملہ پر موقف بہت واضح ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: ''اُن (یہود) کا کہنا ہے کہ ہم نے اللہ کے پیغمبر عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو قتل کیا۔ حالانکہ نہ تو انہوں نے اُن کو قتل کیا (اور) نہ سولی پر چڑھایا۔ بلکہ معاملہ اُن پر مشتبہ کر دیا گیا۔ یقیناً (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے شک میں ہیں۔ اُنہیں اِس کا کچھ یقین نہیں، بجز اندازوں پر عمل کرنے کے۔ یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اُن (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ بڑا زبردست اور حکمتوں والا ہے۔''

(سورۃ النساء، ۴: ۱۵۷، ۱۵۸)

دوسرا بنیادی فرق جو مسلمان اور عیسائی عقائد کے درمیان ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد اُن کے ہاتھ پر اہلِ دنیا کے مسلمان ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جبکہ عیسائیوں کا ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا بھر کے لوگوں کو پولسی شریعت (Pauline Doctrine) کے مطابق عیسائی بنائیں گے۔ یہودی اس معاملے میں بالکل الگ تھلگ کھڑے نظر آتے ہیں، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سرے سے مسیح مانتے ہی نہیں۔ وہ عہد قدیم سے ''موعود'' اپنے اسرائیلی مسیح کا انتظار کر رہے ہیں، جسے مسلمان دجال کے نام سے جانتے ہیں۔

پیچھے گزرنے والی طویل بحث کا مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے واقعہ کی حقانیت کو منطقی بنیادوں پر ثابت کرنا اور اُن کے نزول کے وقت کا تعین کرنا تھا۔ گفتگو تمام پہلوؤں سے ہوتی ہوئی جس نہج پر پہنچی ہے، وہاں وقت کا تعین مشکل نہیں رہا۔ تمام احادیث، قرآن اور عیسائی عہد نامہ جدید (New Testament) کے بیانات کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت جلد دنیا میں واپس تشریف لانے والے ہیں اور اُن کا نزول زمانۂ جدید کے تین سال بعد ختم ہونے والے عہد کے آخر میں ہوگا۔ وہ تلواروں اور گھوڑوں کی بجائے مشین گنوں، ٹینکوں، طیاروں اور میزائلوں کی مدد سے جنگ لڑیں گے۔ اگر 21 دسمبر 2012ء کو دنیا قیامت جیسے ''حادثۂ ساعت'' سے بچ جاتی ہے تو پھر عین ممکن ہے کہ یہ دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا ہی دن ہو۔ اُس وقت عالم یہ ہوگا کہ کفر و اسلام

کی فوجیں جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر ایک دوسرے سے مقابلہ کیلئے مورچہ بند ہوں گی۔

دجال کی شخصیت اور اُس کے کفریہ نظام پر بحث اگلے باب میں ہو گی۔ تاہم یہاں دجال کا ہلکا سا تمہیدی تذکرہ ہرگز بے جا اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں دجال کی جو تصویر پیش کی گئی ہے، اُس کا ایک اہم رُوپ مندرجہ ذیل حدیث میں بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:

> ''میں تمہیں اُس (دجال) کے بارے میں خبردار کرتا ہوں۔ اور کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو (دجال کے حوالے سے) خبردار نہ کیا ہو۔ بے شک نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دجال کے معاملہ پر خبردار کیا، مگر میں تمہیں ایسی چیز کی اطلاع دیتا ہوں، جس کی خبر مجھ سے پہلے کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں دی۔ تمہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ ''کانا'' ہے اور بے شک اللہ ایک آنکھ نہیں رکھتا۔''[1]

حدیث کے آخر میں وارد الفاظ کہ ''وہ (دجال) کانا ہے اور بے شک اللہ ایک آنکھ نہیں رکھتا'' انتہائی توجہ طلب اور ہمارے موضوع کی نسبت اہم ہیں۔ دجال کے ایک آنکھ رکھنے اور اللہ کے ایک آنکھ نہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ

دجال تصویر کا صرف ایک رُخ ہی دیکھے گا اور لوگوں سے امتیازی سلوک کرے گا۔ تاہم اللہ ربّ العزت ایسی تمام آلائشوں اور تعصبات سے پاک ہے، کیونکہ اللہ امتیازی سلوک نہیں کرتا اور نہ ہی ایک آنکھ سے تصویر کا صرف ایک رُخ دیکھتا ہے، بلکہ وہ پوری کائنات اور کائنات کے اندر بسنے والی سبھی مخلوقات کا ربّ ہے۔ لہٰذا اُس سے سبھی مخلوقات اور انسانوں کے ہر طبقے کو رحم کی اُمید رکھنی چاہیے۔

21 دسمبر 2012ء کی تاریخ کے حوالے سے محققین کے ایک مکتبۂ فکر کا کہنا ہے کہ یہ ''عالمگیر بیداریٔ شعور'' کا دن ہوگا۔ اِس تصور کو انگریزی میں "Universal Awakening of Consciousness" کہتے ہیں[2]۔ دینیاتی کسوٹی پر پرکھ کر ہم اِس تصور کی تشریح ایسے کر سکتے ہیں کہ یہ دن دنیا بھر میں بیداریٔ ایمان اور خدا کی طرف بھولے بھٹکے لوگوں کی واپسی کا دن ہوگا۔ تاہم یہ بیداری لازماً کسی عالمگیر حادثہ کا نتیجہ ہوگی اور اگر یہ حادثہ قدرتی یا آسمانی آفت کی صورت میں رونما نہ ہوا، تو قرین قیاس ہے کہ یہ عالمگیر جنگ وجدل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں واپسی کی صورت میں وقوع پذیر ہو جائے، جو کہ قربِ قیامت کی حتمی اور ناقابل تردید علامت ہوگی۔

عالمگیر بیداریٔ شعور سے منسلک ایک اور نکتہ جس پر قیاس واستدلال کی گنجائش باقی ہے، وہ معروف سائنسدان ''جان ویلر'' (John Wheeler) کا ''عظیم تباہی'' (Big Crunch) کا نظریہ ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ''عظیم اوّلین دھماکے'' (Big Bang) کی مانند کائنات اچانک ایک عظیم تباہی سے

دوچار ہو کر پھر سے اوّلین عظیم دھماکے والی پوزیشن پر آسکتی ہے۔ جان ویلر اپنے اس نظریہ کو تخیل کی بجائے آئن سٹائن کے عمومی نظریہ اضافت (General Theory of Relativity) پر مبنی قرار دیتا ہے۔ جان ویلر اس عمل کو زمان و مکاں میں تبدیلی اور ایک نئے ''اعلیٰ مکاں'' (Super Space) کی تخلیق کا نام دیتا ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ہم اس ماحول سے اُس ماحول میں منتقل ہو جائیں گے۔ اس بات سے کیا مراد ہے اور یہ تباہی کیسے پیدا ہوگی؟ قرآنِ مجید اس نکتہ پر بھی خاموش نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اُس دن ہم سماوی کائنات کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے خط کو لپیٹ دیا جاتا ہے، جس طرح ہم نے کائنات کو پہلی بار پیدا کیا تھا، ہم اُسی عملِ تخلیق کو دہرائیں گے۔ یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ (اور) ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں۔''

(الانبیاء، ۲۱:۱۰۴)

ایک اور جگہ پر ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: ''جس دن (یہ) زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور جملہ آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے اور سب لوگ اللہ کے رُوبرو حاضر ہوں گے جو سب پر غالب ہے۔''

(ابراہیم، ۱۴:۴۸)

عصرِ حاضر کے معروف مذہبی سکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری بھی اس نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ طاہر القادری صاحب اپنی مشہور تصنیف ''اسلام اور جدید سائنس'' میں اس امر پر یوں رقم طراز ہیں:

''دوسری کائنات یقیناً پیدا ہوگی اور یہ اللہ ربّ العزت کا وعدہ ہے، جس کا ایفاء اُس نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے۔۔۔اس قسم کی دوبارہ ظہور میں آنے والی کائنات اُس قادرِ مطلق کے ارادے ہی سے انعقاد پذیر ہوسکتی ہے، جو کشش کو محو کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔نئی کائنات شاید ہماری موجودہ کائنات سے ہو بہو مشابہت نہ رکھتی ہو۔''[3]

حوالہ جات

۱۔ صحیح بخاری، کتاب 55، حدیث نمبر 553

۲۔ Jose Arguelles, *The Mayan Factor: Path Beyond Technology*, Shambhala: Bear & Company, 1987

۳۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام اور جدید سائنس، لاہور (منہاج القرآن پبلی کیشنز)، 2001، صفحات 473-475

باب ۱۳

یاجوج ماجوج اور دجال

Gog Magog and Antichrist

قربِ قیامت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے موضوعات سے منسلک دو اور موضوعات کی یہاں پر وضاحت بے حد ضروری ہوگی۔ یہ دو معروف موضوعات ہیں: (الف) قومِ یاجوج ماجوج (قرآن میں یاجوج و ماجوج کہا گیا ہے) اور (ب) فتنۂ دجال۔ پہلے ہم قومِ یاجوج ماجوج پر علمی نگاہ دوڑا کر اِس کی تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے صحیح ترین تشریح کرنے کی کوشش کریں گے، اور اس کے بعد دجال کے فتنہ کو زیرِ بحث لائیں گے۔ ''یاجوج ماجوج'' بنیادی طور پر عبرانی زبان (Hebrew) کا مرکب ہے۔ عبرانی میں اس کی اصل ادائیگی ''گوگ ماگوگ'' اور انگریزی میں "Gog Magog" ہے۔ عبرانی زبان عربی کی پیشرو اور سامی زبان ہونے کے ناطے عربی کی ''بہن زبان'' (Sister Language) کہلاتی ہے۔ مشترک سامی ماخذ سے اخذ کیے جانے کے باعث عربی اور عبرانی کے بہت سے حروف اور آوازیں مشترک ہیں۔ تاہم عربی ''ج'' (جمل) کو عبرانی میں ''گیمل'' کہا جاتا ہے، یعنی اُردو ''گ'' کی آواز پر ادا کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے پہلے کے یہودی

موجودہ چین (درحقیقت ''چینی ترکستان'') سے لے کر وسطی روس تک کے علاقے کو ''ماگوگ'' یا ''ماگوگ کا خطہ'' کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ موجودہ انگریزی بائبل میں اس خطے کو Magog کہا گیا ہے۔ جبکہ بائبل ہی قدیم تاریخی معلومات پر مبنی ریکارڈ کو محفوظ رکھتے ہوئے ہم تک یہ معلومات پہنچاتی ہے کہ ''ماگوگ'' (Magog) حضرت نوح علیہ السلام کے تیسرے بیٹے ''یافث'' (Japheth) کے سات بیٹوں میں سے دوسرا تھا۔[1] اسی طرح بائبل میں موجود ''کتابِ حزقیل'' کے مصنف نے بھی اِس خطہ کو یافث کے دوسرے بیٹے سے منسوب کر کے اُس کی ملکیت جگہ یعنی "The Land of Magog" کا نام دیا تھا۔ اسی طرح قدیم مشرقِ وسطیٰ سے دستیاب دیگر معلومات سے پتا چلتا ہے کہ ماگوگ ایک مالدار اور مؤثر آدمی تھا، جو مذکورہ بالا خطہ میں آباد ہوا اور یہیں اُس کی نسل پھلی پھولی۔ اسی نسبت سے یہ علاقہ عربی میں ''ماجوج'' اور عبرانی میں ''ماگوگ'' کہلایا۔ یونانیوں نے اپنی تہذیب کے دورِ عروج میں اِس خطہ کو ''ماگوگیہ'' (Magogia) کے نام سے موسوم کیا۔ ماگوگ کی نسل کے آگے چلنے اور قبیلوں کی صورت میں پھیلاؤ کے بعد یہ لوگ مجموعی طور پر ''گوگ قوم'' کہلائے۔ بعد ازاں اپنی بربریت کے باعث یہ لوگ دوسری قوموں میں ''گوگ ماگوگ'' یعنی ''ملکِ ماگوگ کی باسی گوگ قوم'' کے نام سے مقبول ہوئے۔ اِس واقعہ سے ملتی جلتی کئی ایک مثالیں اسلامی تاریخ سے بھی دی جا سکتی ہیں۔ سلطنتِ عثمانیہ کا بانی ''عثمان علی'' اگرچہ ایک چھوٹی سی ریاست ہی قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا جس کا کوئی باقاعدہ نام بھی نہ تھا، لیکن آلِ عثمان

نے اپنے جدّ امجد کے نام پر اِس وسیع وعریض سلطنت کو ''امارتِ عثمان'' ہی کہنا پسند کیا، جبکہ وہ خود ''عثمانی'' کہلوائے۔ بالکل اسی طرح ''قریشِ مکہ'' بھی مختلف قبائل میں منقسم ہونے کے باوجود اجتماعی طور پر ''قریش'' ہی نام سے عرب بھر میں مشہور تھے، جبکہ ''قریش'' حضور ﷺ سے پہلے بارھویں پشت میں گزرنے والے بزرگ ''فہر'' کا لقب تھا۔

2 قرآن پاک سے دستیاب معلومات کے مطابق جنابِ ذوالقرنین دو پہاڑیوں کے درمیان ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو یاجوج ماجوج کے ہاتھوں بہت تنگ تھی۔ یہ قرآن میں بیان کردہ اُن کا تیسرا سفر تھا، جو کہ اُن کی اپنی سلطنت سے شمال کی جانب کیا گیا تھا۔ سورۂ کہف کے مطابق جنابِ ذوالقرنین نے اُن لوگوں کی درخواست پر جو حفاظتی دیوار تعمیر کروائی اُس میں لوہے کے بڑے بڑے دروازے بھی تھے۔ اِس دیوار کا مقصد یاجوج ماجوج کی لوٹ کھسوٹ سے مقامی لوگوں کو بچانا تھا۔ آج بھی یہ دیوار کوہِ قاف، چیچنیا، میں کھڑی ہے اور اسے مسلمان مؤرخین نے ''سدِ سکندری'' کا نام دیا تھا۔ یہ تقریباً 48 میل لمبی ہے اور اِس میں لوہے کے بڑے بڑے دروازے قرآن کے بیان کے عین مطابق استعمال کیے گئے ہیں۔ اِس دیوار کی سمت واضح طور پر ظاہر کرتی ہے کہ یہ شمال مشرق سے آنے والے حملہ آوروں سے بچنے کیلئے تعمیر کی گئی۔ یہ حملہ آور کون ہو سکتے تھے؟ کیا وہ انسان ہی تھے یا کوئی اور مخلوق؟ بخاری شریف کی ایک حدیث کے مطابق یاجوج ماجوج نسل انسانی میں سے ہیں (یعنی انسان ہیں) اور اُن کی تعداد (یعنی آبادی) بہت زیادہ ہے اور اللہ اُنہی سے جہنم کو زیادہ

بھرے گا۔[3]

اِن تمام قرائن کی روشنی میں یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہ جاتی کہ قرآن مجید میں مذکور قومِ یاجوج ماجوج سے مراد ''اہل چین'' ہیں، جو زمانہ قدیم سے اِس طرح اپنے علاقہ میں مقید ہیں جیسے انہیں باقی دنیا سے کاٹ کر رکھ دیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں چین ومنگولیا کے باشندے ہمیشہ سے اپنے پڑوس میں بسنے والی دیگر اقوام پر ظلم کرتے آئے ہیں۔ اِس پورے خطے میں آباد لوگوں کو انتھروپالوجی کی زبان میں Mongolides کہتے ہیں، جس کی اُردو شکل ''منگول'' ہے۔ یہی لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے تیسرے بیٹے ''یافث'' کی اولاد سے ہیں۔ چنگیز خان، ہلاکو خان اور امیر تیمور جیسے ظالم شہنشاہان بھی اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ عصر حاضر کے معروف پاکستانی عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد بھی یہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں کہ چینی ترکستان کے وسیع علاقہ میں پھیلے ہوئے چپٹے ناکوں اور چھوٹی آنکھوں والے لوگ ہی یاجوج ماجوج ہیں۔[4]

موجودہ دَور کے سیاسی حالات کو دیکھا جائے تو عالمی سطح پر چین کو امریکہ کے بعد دوسری سپر پاور مانا جاتا ہے۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد دنیا کی نظریں عالمی طاقت کے توازن کیلئے جس ملک پر ہیں، وہ چین ہی ہے۔ حالیہ خبروں میں ہے کہ چین 2012ء کے آخر تک اپنے سپر پاور ہونے کے باقاعدہ اعلان کا ارادہ رکھتا ہے۔ جبکہ امریکہ اِس کے برعکس چین کو نکیل ڈالنے کیلئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر رہا ہے، تاکہ حالات اُس کے قابو میں رہیں۔ یوں لگتا ہے کہ عالمی سیاست کی یہ گرما گرمی جنگ وجدل کے آتش فشاں

کو پھٹنے پر مجبور کر ہی دے گی اور عالمی حالات آنے والے دو یا تین سالوں میں سو فیصدی ویسے ہو جائیں گے، جن کی پیشگوئی احادیث میں کی جا چکی ہے۔
''ہرمجدون'' (Armageddon) سے فارغ ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یاجوج ماجوج سے جنگ کی پیشگوئی سے مراد یہی لگتا ہے کہ مسلمان اہل مغرب (Christian Europe) سے لڑ چکنے اور اُن پر غالب آنے کے بعد اہل چین سے بھی معرکہ آرائی کریں گے اور یہ چین کا بحیثیت سپر پاور خاتمہ ہو گا۔ یہ وہ وقت ہو گا جب اسلام ایک بار پھر تہذیبی صورت اختیار کر لے گا اور اسلامی تہذیب دنیا بھر میں پھیل جائے گی۔

اب تھوڑی سی بات فتنۂ دجال کے حوالے سے بھی کر لی جائے۔
''دجال'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اِس کا مطلب ہے ''جھوٹا''۔ انگریزی میں اس کو Antichrist کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس سے مراد ''حضرت مسیح علیہ السلام کا بدترین دشمن'' ہے۔ عیسائیوں کے عہد نامہ جدید میں بھی دجال کو Antichrist کے نام سے ہی پکارا گیا ہے اور عیسائی صدیوں سے اُس کا انتظار کرتے اور اُس کے فتنہ کی مختلف تشریحات کرتے آ رہے ہیں۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی دجال کا جو پورا نام استعمال کیا گیا ہے وہ ''مسیح دجال'' ہے۔ جس کے معنی ہیں ''جھوٹا مسیح''۔ عربی زبان میں یہ مرکب نام سریانی زبان سے مستعار لیا گیا ہے اور قرآن کریم کے نزول سے کم و بیش 400 سال پہلے تیسری صدی عیسوی میں ہی یہ عربی روزمرہ میں متعارف ہو چکا تھا۔ ''المسیح الدجال'' کا سریانی ماخذ ''مشیحا دگالا'' (Mashiha Daggaala) ہے، جس

کا مطلب بالکل وہی ہے جو عربی زبان میں سمجھا جاتا ہے۔

دجال کی بطور شخصیت نشانیوں میں آیا ہے کہ وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، بہت بڑے گدھے پر سوار ہوگا، اُس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی اور ماتھے پر ''کفر'' لکھا ہوگا۔ اُس کی رفتار بہت تیز ہوگی اور وہ قدرت و کبریائی کا دعویٰ کرے گا۔ مزید برآں وہ اپنے دعووں کو پورا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہوگا جس سے لوگ اُسے سچا مان کر اُس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ مضبوط ایمان کے دعویدار مسلمانوں کی ایک اکثریت بھی انہی شعبدوں کو دیکھ کر دجال کو معبود تسلیم کرلے گی اور خدا اور رسول ﷺ پر ایمان سے مرتد ہوجائے گی۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ ملحد ہوجائیں گے اور ان دیکھے خدا کا مکمل انکار کردیں گے۔

جب دجال اپنی انتہائی مضبوط جمعیت قائم کرچکے گا تو باقی ماندہ اہل ایمان سے اُس کی باقاعدہ جنگ ہوگی۔ اِس میں ابتدائی کامیابیاں دجالی کیمپ کو ہی حاصل ہوں گی۔ تاہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور اُن کی طرف سے افواجِ اسلام کی سپہ سالاری سنبھال لینے کے بعد مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوجائیں گے اور وہ کفار پر تابڑتوڑ حملے کریں گے۔ جنگ کے آخر میں لشکرِ اسلام کا پلڑا بھاری ہوجائے گا۔ آخری معرکہ سرزمین شام پر ہوگا اور دجال شکست کے بعد بھاگ کھڑا ہوگا۔ دجال کے اس بزدلانہ فرار کے حوالے سے احادیث میں ایک جگہ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ یہ جگہ موجودہ اسرائیل میں ہے اور اس کو ''بابِ لُد'' کہتے ہیں [5]۔ دجال یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہوگا کہ قتل کردیا جائے گا [6]۔ دجال کے قتل کے بعد نہ صرف دجال کا فوجی کیمپ جو کہ یہودی

اکثریت پر مشتمل ہو گا شکستِ فاش سے دوچار ہو گا، بلکہ دجال کے فتنے کا عفریت بھی اپنے حتمی انجام کو پہنچ جائے گا۔

مذکورہ بالا تمام معلومات احادیثِ نبوی ﷺ سے حاصل کی گئی ہیں۔ اِن معلومات کی روشنی میں دجال کے بارے میں چند پہلو بڑے واضح انداز میں سامنے آجاتے ہیں۔ جیسا کہ دجال ایک جیتا جاگتا انسان ہو گا، بہت سی قوتیں اُس کے ہاتھ میں ہوں گی، وہ اپنے حامیوں کے ہمراہ اہل ایمان سے جنگ کرے گا اور بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں شکست کھا کر قتل ہو جائے گا۔ تاہم احادیث میں دجال کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ایک اضافی چیز یعنی فتنۂ دجال کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اور جس چیز سے پناہ مانگنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کی جانب سے دیا گیا ہے، وہ از خود دجال بحیثیتِ انسان نہیں، بلکہ وہ فتنہ ہے جس کے اندر دجال نمودار ہو گا۔ اسلامی تاریخ میں اکثر علماء دجال کے موضوع کو دو عنوانات کے تحت زیرِ بحث لاتے رہے ہیں۔ اوّل ''دجال بحیثیتِ شخصیت''[7]، دوّم ''دجال بحیثیتِ فتنہ''۔ حدیث میں وارد الفاظ ''فتنۂ دجال'' کی شرح اکثر علماء کے ہاں ''جھوٹے یا سراب پر مبنی نظام'' کے طور پر کی جاتی رہی ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ دجال بطور شخصیت ضرور ظاہر ہو گا اور جھوٹ وسراب اور ظاہری نمود پر مبنی نظام کی کمان سنبھالے گا۔ لیکن اُس کی آمد سے پہلے سٹیج پوری طرح سے سج چکا ہو گا۔ اگرچہ یہ تشریحات قرونِ وسطیٰ میں بھی کی جاتی رہی ہیں اور لوگ توقع کرتے رہے ہیں کہ دجال کا فتنہ قریب ہے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا کے اندر جو نظام اٹھارہویں صدی عیسوی

کے صنعتی انقلاب(Industrial Revolution) کے بعد پروان چڑھا، وہ دجالی فتنہ کا موزوں ترین عکاس ہے۔ یہ نظام شروع سے آخر تک ظاہری نمود کا حامل ایک ایسا سراب ہے جس کے پیچھے انسان بھاگتا ہی چلا جاتا ہے۔ صنعت وحرفت کی آمد نے انسان کو اتنا مصروف کر دیا ہے کہ وقت میں سے برکت ختم ہو گئی ہے اور چوبیس گھنٹے کا دن بھی کم پڑ گیا ہے۔ ایک زرعی معاشرے کی اخلاقیات بھی زرعی ہوتی ہیں۔ جبکہ صنعتی معاشرے کے اندر اخلاقیات یکسر بدل جاتی ہیں۔ یا پھر ہم دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقیات تقریباً ناپید ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ صنعتی معاشرے میں ہر چیز کی قدر کھپت، پیداوار، کاروبار اور بالآخر منافع کی بنیادوں پر جانچی جاتی ہے۔ یہ درحقیقت زرعی معاشرے ہی کا فیضان تھا کہ اِس کے اندر شریعت کا نظام ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک قابل عمل رہا۔ تاہم صنعتی انقلاب کے بعد جو عالمگیر معاشرہ وجود میں آیا ہے، وہ سودی نظام پر کھڑا ہے۔ بینکاری نظام صنعتی معاشرہ کا جزو لاینفک ہے اور اس کے اندر انسان کی اہمیت محض خدمات یا سرمائے کی بنیاد پر ہے۔ انسان کی ذاتی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے، جبکہ فلسفۂ اخلاقیات بھی کاروباری منڈی جیسی آج کی دنیا میں کہیں مؤثر نظر نہیں آتا۔ خالص سرمائے سے خالص سرمایہ حاصل کرنے اور امیر سے امیر تر ہونے کا فلسفہ رائج الوقت ''سرمایہ دارانہ نظام'' (Capitalism) کے پیچھے کارفرما ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی معتبر نظام کبھی پیش کیا گیا تو وہ کارل مارکس کا انسانی برابری پر مبنی ''مارکسزم'' (Marxism) کا فلسفہ تھا، جس کو اُس نے اپنی معروف کتاب

"Das Kapital" میں پیش کیا۔ مارکسزم نے بعد میں ولادی میر لینن کے معاشی فلسفہ کے اثرات قبول کرتے ہوئے ''اشتراکیت'' (Communism) کی شکل اختیار کر لی۔ یہ نظام بھی اپنی چند خوبیوں کے باوجود ایک ایسا گمراہ کن نظام ٹھہرا، جو اپنے اندر الحادیت اور انکارِ مذہب کے شدید جراثیم رکھتا تھا۔ اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے درمیان عالمی معاشی اُفق پر کافی عرصہ تک محاذ آرائی رہی۔ اس عہد کو ''سرد جنگ'' (Cold War) کا نام دیا جاتا ہے۔ سرد جنگ میں اشتراکیت کی نمائندگی روس اور سرمایہ دارانہ نظام کی نمائندگی امریکہ کر رہا تھا۔ اس دور میں دنیا حقیقی معنوں میں دو سیاسی و معاشی گروہوں میں منقسم (Bipolar) رہی۔ نصف صدی تک جاری رہنے والے مقابلہ کے بعد سرمایہ دارانہ نظام نے اشتراکیت کو عملی طور پر پچھاڑ ڈالا اور یوں 1989ء سے دنیا ہر اعتبار سے Unipolar ہے، یعنی ایک ہی نظامیاتی ستون پر کھڑی ہے۔ اس کی تعریف اہل دانش یوں بھی کر سکتے ہیں کہ دنیا 1989ء سے ''ایک ہی آنکھ'' رکھتی ہے اور اس کی دوسری آنکھ بند ہو چکی ہے۔ میڈیا کی انتہائی ترقی سے لے کر گلی میں پھیری لگانے والے تک ہر کوئی اسی نظام کا حصہ ہے۔ ہر کوئی اپنی جائز و ناجائز مصنوعات کو پروپیگنڈہ کے ذریعے بیچ رہا ہے۔ آج چاہے دنیا کا امیر ترین آدمی بل گیٹس ہو یا کوئی زید بکر، ہر کوئی پیسہ سے پیسہ کمانے کی فکر میں ہے۔ جبکہ اس عملِ منافع خوری میں سود اور کاروباری منافع کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ سود در سود کے دلدل جیسے نظام میں ہر کوئی یقین کرنے لگ پڑا ہے کہ سود درحقیقت جائز منافع ہی ہے۔ آج یہ نظام چھ ارب سے زائد

انسانوں کا پیٹ پال رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں بینک اور سٹاک مارکیٹ جیسے ادارے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی بقاء کا سارا دارومدار سود پر ہے۔ آسان ترین تشریح میں ہم موجودہ نظام کو کفریہ نظام کہہ سکتے ہیں اور یہی وہ 'کفر' ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ کانے دجال کے ماتھے پر کندہ ہے۔

اگر فحاشی کو فتنۂ دجال کا ایک اہم پہلو تصور کر کے اس کے عالمگیر سطح پر پھیلاؤ کا جائزہ لیا جائے تو بھی معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آتا ہے۔ سیٹلائٹ چینلز، کیبل نیٹ ورک اور انٹرنیٹ فحاشی و عریانی کے آسان اور ارزاں ترین ذرائع ہیں، جنہوں نے دنیا کو مکڑی کے جالے کی مانند ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ آج اگر کوئی اِن سے بچنا بھی چاہے تو بچ نہیں پاتا۔ عورت کی شخصیت کو اُس کی زینت یعنی پردہ سے محروم کر کے اُس کو ''ماڈل'' کا لقب دے دیا گیا ہے اور آج کی عورت ''چراغِ خانہ'' کی بجائے ''شمعِ محفل'' بننے میں زیادہ کشش محسوس کرتی ہے۔ المختصر اخلاقی لحاظ سے بھی ''اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔'' جدید مادی تہذیب نے عورت کو بے لباس کر کے ایک جدید ''روشن خیال'' مقام عطا کیا ہے، جس کی وجہ سے صنفِ نازک کو ''مستور'' کی بجائے ''ننگِ بدن'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مختصر ترین لباس میں ملبوس خواتین ٹی وی چینلز پر نمودار ہو کر اسلام کی من چاہی تشریحات کر رہی ہوتی ہیں۔ اُن کا سارا زور اسلام کو روشن خیال اور مادر پدر آزاد مذہب ثابت کرنے پر لگ رہا ہوتا ہے اور اس کارہائے عظیم کی انجام دہی میں وہ زمین و آسمان کے قلابے ملانے سے

بھی گریز نہیں کرتیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر کوئی بات قرآن وسنت کے مطابق بیان کر دی جائے تو سرابِ مغربیت کی سحر زدہ ''حوا کی بیٹیاں'' ایسی تمام باتوں کو دقیانوسیت کا فتویٰ عطا کر کے ناقابل عمل قرار دے دیتی ہیں۔

یقیناً یہی وہ فتنہ ہے جس نے ہر طرف سے ہمارا احاطہ کر رکھا ہے اور جسے فتنۂ عظیم قرار دے کر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے بچنے کی دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ بے شک ہم اس کے سامنے بے بس ہیں اور چاہنے کے باوجود بھی اس کے حصار سے نکل کر نہیں بھاگ سکتے۔ زمین کے گرد لپٹا ہوا یہ جالا اتنا وقفہ بھی نہیں دیتا کہ اس میں سے کوئی نکل بھاگے۔

موجودہ صنعتی تہذیب نے جس نظام تعلیم کو جنم دیا اور پروان چڑھایا ہے، وہ بھی خالصتاً ''فائدہ'' کے تصور پر مبنی ہے۔ پروفیشنل ایجوکیشن کا مطلب ہی ایسے ہنر سیکھنا ہے، جو پیسہ کمانے میں سب سے زیادہ مؤثر ہوں۔ ہنر سیکھنے میں یقیناً کوئی قباحت نہیں۔ لیکن دورِ جدید میں ایسے ہنر متعارف کروائے گئے ہیں، جن میں سے اکثریت کا تعلق کاروباری غلط بیانی سے ہے۔ مارکیٹنگ میں حاصل کی جانے والی ڈگریاں درحقیقت جھوٹ پیشہ وارانہ انداز میں بولنے کی مہارت پر سند ہیں۔ صحافتی تعلیم میں پروپیگنڈا کا سارا تصور ہی جھوٹ کو سچ بنانے اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کے گرد گھومتا ہے۔

آج صحافتی تعلیم وتربیت کے زیر اثر جھوٹ کو ایک کارآمد حربہ سمجھ کر اتنا پھیلایا جا رہا ہے کہ عقل پروپیگنڈا کے مقاصد اور نتائج پر دنگ رہ جاتی ہے۔ المختصر جھوٹ کے زیر اثر رہ رہ کر سچ اور جھوٹ کے درمیان فرق دورِ جدید کے

انسان کیلئے تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ جس طرح برائی بہت زیادہ پھیلنے پر برائی نہیں لگتی، بالکل اُسی طرح جھوٹ بہت عام ہو جانے پر جھوٹ نہیں لگتا۔ مزید برآں تمام سائنسی مضامین ''ارتقاءِ زندگی'' (Evolutionism) اور ''آفاقی حادثہ'' (Chance/Incidence) جیسے لادین فلسفوں پر کھڑے ہیں۔ دراصل انہی جھوٹ کے پلندوں کو سچ ثابت کرنے کے لیے کی جانے والی کوششوں پر ڈاکٹریٹ تک کی ہزاروں ڈگریاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ جبکہ تصور خدا اور ضرورتِ مذہب سے انکار پر یونیورسٹیاں ہر سال سینکڑوں سیمینارز اور لیکچرز کا اہتمام کرتی ہیں۔ آج کا انسان رسمی تعلیم حاصل کیے بنا کچھ بھی نہیں اور رسمی تعلیم کے حصول کیلئے اُسے اِن خرافات کا حصہ لازماً بننا پڑتا ہے۔

بات کو سمیٹتے ہوئے اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ تہذیبِ حاضرہ کا ہر پہلو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ وہ فتنۂ دجال کا حصہ ہے اور یہ کہ فتنۂ دجال آج اپنے پورے جوبن پر ہے۔ سٹیج پوری طرح لگ چکا ہے اور اب کسی بھی لمحے مسیح دجال کا بطور شخصیت ظہور ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس سپہ سالارِ کفر کا ظہور 2012ء تک ہو جائے۔ حالات جس رُخ چل نکلے ہیں، اس سے نشاندہی ہو رہی ہے کہ دجال کی شخصیت انہی دِنوں میں منظر عام پر آ جائے گی۔ یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ، اہل مغرب کا اسلام اور مسلمانوں سے تحقیر آمیز رویہ، عالمی اُفق پر نمودار ہونے والی جنگیں، نامعلوم دشمن کے خلاف لڑی جانیوالی موجودہ عالمی جنگ، قتل و غارت گری اور عالمگیر بدامنی، سبھی کسی بہت بڑی تبدیلی کا عندیہ دے رہے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم حالات کے صحیح رُخ کا

ادراک کر کے بروقت عالم کفر کے مقابلہ کیلئے تیار ہو جائیں۔ اگر بروقت تیاری نہ کی گئی اور مصلحتیں ہی آڑے آتی رہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم شکوک وشبہات کا ہی شکار ہو کر رہ جائیں اور اللہ تعالیٰ ہم سے توبہ کا آخری موقع بھی چھین لے۔

حوالہ جات

۱۔ بائبل، کتابِ پیدائش: باب 10۔ مزید برآں کتابِ حزقیل میں اس جگہ کو ''ماگوگ کا خطہ'' (Land of Magog) کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ (باب، 38:1-2)

۲۔ ذوالقرنین کی تاریخی حیثیت پر مزید تفصیلات کے لیے مطالعہ کیجیے:

Hayder, Sayyed Waqas, *What Quran Says: A Modern Reconstruction*, Lahore, 2009, pp. 200-205

۳۔ (الف) صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ حج، (ب) صحیح مسلم۔ کتاب الایمان

۴۔ بحوالہ ڈاکٹر شاہد مسعود، The Hidden Truth: End of Times، (دستاویزی پروگرام) پیشکش: اے آر وائے ٹی وی (ARY TV)

۵۔ آج کل اس جگہ کو ''لڈا'' (Lydda) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس مقام پر اسرائیلی حکومت نے ایک بہت بڑا بین الاقوامی ہوائی اڈا قائم کر رکھا ہے۔ ہوائی اڈے کے قیام سے ہمیں یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ حدیث نبوی ﷺ میں اس مخصوص جگہ سے دجال کے فرار کی بات کیوں کی گئی ہے۔

۶۔ ابن ماجہ، ابوداؤ، ترمذی، درِّ منثور، حاکم، کنز العمال۔

۷۔ یہاں دجال سے مراد ''مسیح الدجال'' کی شخصیت ہے۔ جس کا تذکرہ احادیث میں بھی بطور شخصیت ہی کیا گیا ہے۔

باب ۱۴

21 دسمبر 2012ء
کے بارے میں میڈیا کیا کہتی ہے؟

کیا حقیقت؟......کیا فسانہ؟

روحانی ڈائجسٹ

EXPRESS
news

NEWS

جنگ

NASA

2012ء میں دُنیا کا خاتمہ ہو جائے گا؟

اخبار جہاں (جنگ گروپ) کی ایک خصوصی رپورٹ

گزشتہ دِنوں (13 نومبر کو) ہالی ووڈ میں ایک انتہائی متنازع اور خوفناک موضوع پر بنائی گئی فلم ''2012'' کو دُنیا بھر میں نمائش کیلئے پیش کر دیا گیا ہے۔ 200 ملین ڈالر سے زائد لاگت میں تیار ہونے والی اس میگا بجٹ فلم کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس فلم کی کہانی ایک قدیم اور متنازع نظریے کی عکاسی کرتی ہے جس کے مطابق 2012ء میں دُنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس نظریے کی بنیاد دُنیا کی ایک قدیم تہذیب ''مایا'' سے تعلق رکھنے والے کیلنڈر سے ہے۔ اس کیلنڈر کو ''مایا کیلنڈر'' کہا جاتا ہے۔ اس میں وقت یا دُنیا کی عمر کی آخری حد مقرر کر دی گئی ہے۔ اس کیلنڈر کے مطابق 21 دِسمبر 2012ء کو دُنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مذکورہ فلم میں مایان کیلنڈر اور دُنیا کے خاتمے سے متعلق مغرب کے دقیانوسی نظریات اور توہم پرستی پر مبنی پیش گوئیوں کو ایک

حقیقت کے رُوپ میں پیش کیا گیا ہے اور اس تباہی یا ''قیامت'' کی منظر کشی کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مغرب کے بعض حلقوں کے اعتقاد کے مطابق 2012ء میں زمین پر برپا ہونے والی ہے۔ امریکہ اور یورپ سمیت پورے مغرب میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو 2012ء میں دُنیا کے خاتمے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان میں ایک عام ٹرک ڈرائیور سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد، اسکالرز اور مختلف شعبہ ہائے علوم سے تعلق رکھنے والے ماہرین بھی شامل ہیں۔ انہی میں سے ایک لارا ٹیلر نامی خاتون پروفیسر بھی ہیں جو الاسکا کی ایک یونیورسٹی کے شعبۂ علم فلکیات سے وابستہ ہیں۔ لارا ٹیلر کا کہنا ہے کہ کم از کم اپنی ذات کی حد تک وہ اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ 2012ء ہی دُنیا کے خاتمے کا سال ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ آسمانی صحائف میں جو نشانیاں بتائی گئی ہیں، ان کے مطابق 2012ء ہی وہ سال ہے جب ''آرما گیڈن'' برپا ہوگا۔ (مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق ''آرما گیڈن'' وہ مقام یا میدان ہے جہاں قیامت سے قبل یزداں (باری تعالیٰ) اور شیطان ابلیس کے پیروکاروں کے درمیان آخری فیصلہ کن معرکہ ہوگا جس میں شیطان اور اس کے لشکر کو شکست فاش ہوگی اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ میں دھکیل دیا جائے گا)۔ لارا ٹیلر اس ضمن میں سولہویں صدی عیسوی کے مشہور نجومی نوسٹراڈیمس کی ان پیش گوئیوں کا بھی حوالہ دیتی ہیں جن میں 21ویں صدی کے پہلے حصے میں دُنیا کے خاتمے کی بات کی گئی ہے اور ان نشانیوں اور واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو قیامت سے قبل ظاہر ہوں گے۔ لارا ٹیلر کے مطابق موسمی تغیرات، زلزلے، سیلاب اور سونامی جیسی آفات

دُنیا کے بڑے حصے میں قحط کی صورتحال، ایڈز اور سوائن فلو جیسی عالمگیر وبائیں، معاشرتی ناہمواریاں، اقتصادی بحران، سیاسی کشمکش، خون خرابہ اور وہ سب کچھ جو اس وقت دُنیا میں ہو رہا ہے، یہ سب وہ نشانیاں ہیں جو دُنیا کے خاتمے کے حوالے سے نوسٹراڈیمس نے بتائی تھیں۔

2012ء میں دُنیا کے ممکنہ خاتمے کے حوالے سے مغربی دُنیا میں کئی برسوں سے بحث جاری ہے جس میں اب بہت زیادہ شدت آ گئی ہے۔ اس بحث کو بڑھاوا دینے میں فلم ''2012'' نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے جو ایک ایسے وقت پر بنائی اور پیش کی گئی ہے جب موت سے خوفزدہ یورپ اور امریکہ اپنے ممکنہ انجام سے پہلے ہی لرزہ براندام ہیں۔ انٹرنیٹ پر زور وشور سے مباحث اور تبصرے ہو رہے ہیں جن میں 2012ء آرما گیڈن، نوسٹراڈیمس کی پیشین گوئیاں اور مایان کیلنڈر کے حوالے سے لوگ اپنے اپنے نکتہ ہائے نظر پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں لوگ واضح طور پر تین دائروں میں منقسم ہیں۔ ایک دائرہ ان لوگوں کا ہے جو 2012ء میں دُنیا کے خاتمے پر یقین رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس نظریے کو سازش پر مبنی ایک افواہ قرار دیتے ہیں، جبکہ تیسرا حلقہ ان لوگوں کا ہے جو اس معاملے پر کوئی حتمی رائے نہیں رکھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ تاہم فلم ''2012'' کے مصنف ڈائریکٹر اور شریک پروڈیوسر رونالڈ ایمرچ خود بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جو مایا کیلنڈر پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اس فلم کو درحقیقت 2012ء میں ریلیز کرنا چاہتے تھے لیکن وہ پُر اعتماد نہیں تھے کہ

تب یہ دُنیا موجود ہوگی یا نہیں، اس لئے اُنہوں نے فلم ''2012'' کو بنانے اور ریلیز کرنے میں عجلت سے کام لیا تاکہ (ان کے مطابق) لوگ اس قیامت کا پہلے سے نظارہ کرلیں جو بہت جلد آنے والی ہے۔

کچھ ''مایا تہذیب'' کے بارے میں

کہا جاتا ہے کہ ''مایا تہذیب'' کا زمانہ 2 ہزار برس قبل مسیح سے لے کر 250 عیسوی تک تھا۔ یہ تہذیب شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیانی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی جس کا دائرہ وسطی میکسیکو سے ہنڈراس اور نکاراگوا تک چلا گیا تھا۔ مایا تہذیب کو امریکا کی دریافت سے قبل ایک ایسی واحد تہذیب کے طور پر جانا جاتا ہے جو معاشرتی طور پر انتہائی ترقی یافتہ تھی اور ایک مکمل تحریری زبان رکھتی تھی۔ بالخصوص یہ لوگ فنون وادب، تعمیرات، ریاضی اور فلکیات جیسے علوم میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ مایا تہذیب کا اثر نہ صرف اس کے خاص علاقوں بلکہ ان سے باہر بھی کافی دُور تک پایا جاتا تھا۔ مایا تہذیب کے آثار آج بھی ان علاقوں میں جابجا موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مایا لوگ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے ہاں کئی عجیب و غریب اور ظالمانہ رسوم ورواج پائے جاتے تھے جن میں سے ایک رسم ''اِنسان کی قربانی'' بھی تھی۔ یہ لوگ دیوی دیوتاؤں کو منانے اور ان کے (تصوراتی) قہر سے بچنے کیلئے مندروں میں انسانوں کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ اس رسم کا شکار اکثر وبیشتر بچے ہوا کرتے تھے کیونکہ مایا لوگوں کا اعتقاد تھا کہ بچے، بڑوں

کی نسبت زیادہ پاک ہوتے ہیں۔ بعض مورخین کے مطابق مایا لوگ کئی سائنسی علوم، خصوصاً علم فلکیات اور ریاضی میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ مایا تہذیب کا تحریری نظام کافی حد تک قدیم مصری طرز تحریر سے مشابہت رکھتا تھا جس میں صوتی علامات اور الفاظ کے متبادل اشارے، دونوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جبکہ مایا تہذیب کا عددی نظام ''5'' اور ''20'' کی بنیادوں پر استوار تھا اور تحریری گنتی کا یہ ایک انتہائی آسان اور بالکل درست طریقہ تھا۔ مایا تہذیب میں وقت، دن اور تاریخ کے حوالے سے تقویمات اور جنتریوں پر مشتمل ایک جامع نظام رائج تھا جسے ''مایا کیلنڈر'' کہا جاتا ہے۔ یہ کیلنڈر آج بھی گوئٹے مالا اور بعض دیگر لاطینی امریکی ممالک کے ان قبائل میں زیر استعمال ہے جو قدیم مایا تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ مایا کیلنڈر میں وقت کی ایک مکمل گردش کو 260 دِنوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مایا کیلنڈر کے مطابق ایک سال 260 دنوں پر مشتمل ہے۔ تاہم اسی نظام میں ایک ایسی تقویم بھی موجود تھی جس کا ایک چکر 400 دِنوں پر محیط تھا۔

مایا کیلنڈر کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کی مدد سے دُنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو ماضی، حال اور مستقبل کی ترتیب کے ساتھ (اندازاً) معلوم کیا جا سکتا تھا۔ اس میں وقت کی گردش کا ایک ایسا طریقۂ کار وضع کیا گیا تھا جس سے نہ صرف ماضی میں رونما ہونے والے واقعات کے زمانے کی پیمائش کی جا سکتی تھی (یعنی یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا) بلکہ اسی واقعے سے منسلک ایسے دوسرے واقعے کا زمانہ بھی معلوم کیا

جاسکتا تھا جو مستقبل میں پیش آسکتا تھا۔ تاہم مایا کیلنڈر کے حساب کی مجموعی مدت 5125 برسوں پر محیط تھی۔ یعنی اپنی تشکیل کے بعد یہ کیلنڈر ماضی سے مستقبل تک مجموعی طور پر 5125 برس کا حساب اور واقعات ظاہر کرسکتا تھا۔ اس کیلنڈر میں درج شدہ مدت میں سے 5122 برس گزر چکے ہیں اور اب صرف 3 برس ہی باقی رہ گئے ہیں۔ مایا کیلنڈر میں ''مستقبل'' کے زمانے کی آخری تاریخ ''21 دِسمبر 2012'' بنتی ہے اور اس پر اعتقاد رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ درحقیقت یہ وہ دِن ہوگا جب زمین سے ''نبیرو (Nibiru)'' نامی ایک سیارہ ٹکرائے گا اور دُنیا کا خاتمہ ہوجائے گا۔

غلام مصطفٰے سیّد

اخبارِ جہاں (جنگ گروپ)

16 نومبر 2009ء

زمین کا مستقبل خطرے میں......؟؟؟

روحانی ڈائجسٹ میں شائع کی گئی ایک تحقیق

یہ کوئی سنسنی پھیلانے والا جملہ نہیں ہے، بلکہ وہ حقیقت ہے جس سے نظریں چرانا ناممکن ہے اور جنہیں یقین نہیں ہے، وہ بھی کچھ سال بعد اس کے اثرات کرۂ ارض پر رونما ہوتے دیکھ لیں گے۔ بلکہ اب اکثر مکاتب فکر میں یہ بحث جاری ہے کہ یہ المیہ 2012ء یعنی بس دو سال کے بعد وقوع پزیر ہونے والا ہے۔ کچھ تو اس حد تک چلے گئے ہیں کہ دنیا کے خاتمے کی تاریخ دے رہے ہیں اور ان کے بقول یہ دنیا 21 دسمبر 2012ء کو ختم ہو جائے گی۔ بنیادی طور پر سب کے قیاس کی بنیاد وہ مشہور زمانہ "مایا" کیلنڈر ہے جس کی آخری تاریخ بس یہی ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں۔ مایا آج سے 2000ء سال قدیم تہذیب ہے جو بنیادی طور پر جنوبی امریکہ کے ممالک میکسیکو، گوئٹے مالا وغیرہ میں اب بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اپنے زمانے کی انتہائی اعلیٰ اقدار، علم اور تہذیب کی حامل

قوم تھی اور خاص طور پر ستاروں کی چال اور آنے والے واقعات کے بارے میں معلومات کے لئے مشہور تھی۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی ستاروں کی مدد سے حل کیا کرتے تھے جیسے کہ فصل کب اُگانا ہے وغیرہ۔ ان کے مطابق ایک کائناتی دن 25625 سالوں پر محیط ہے اور یہ ایک دن 5125 سالوں کے چار ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے بالکل ایسے جیسے ہمارا ایک دن صبح، دوپہر، شام اور رات مین بٹا ہوا ہے۔ اس وقت یہ دنیا مایا تہذیب کے کیلنڈر کے مطابق آخری 5125 سال کے ٹکڑے میں ہے جو 2012ء میں جا کر اختتام پذیر ہوگا۔ مایا کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہر کائناتی دن کے بعد ایک نئی دنیا جنم لیتی ہے اور ہم اس وقت دو دنیاؤں کے درمیان ہیں۔ ایک جو 2012ء کو ختم ہونے والی ہے اور دوسری جو اس کے بعد شروع ہوگی۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم مادی طور پر فنا ہو جائیں کیونکہ اس کے بارے میں بھی دو آراء ہیں۔ خود مایا کا کہنا ہے کہ انسان کے پاس 1999ء کے بعد تیرہ سال ہیں جس میں اس نے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ تباہی کے راستے کو چھوڑ کر ایک ایسا راستہ اپنائے گا جو پوری کائنات کو یکسوئی عطا کردے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو 2012ء کے بعد ایک پر سکون اور پر امن دنیا جنم لے گی جس میں انسان باہمی ہم آہنگی کے ساتھ رہے گا قدرت کا احترام کرے گا اور تباہی کے راستے کو چھوڑ دے گا۔ اگر اس نے صحیح فیصلہ نہ کیا تو عظیم تباہی اس کا مقدر ہوگی۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ان تیرہ سالوں کے دوران بین الاقوامی حدت تیزی کے ساتھ بڑھی ہے اور اس کے نتیجے میں قطب جنوبی میں برف کے بڑے بڑے پہاڑ پگھلے ہیں۔ سطح سمندر خطرناک حد تک بڑھ رہی ہے

اور اور سمندر کے کنارے بسے شہروں کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ سمندر کی نذر ہو جائیں گے۔ اگر ان تیرہ سالوں میں ترقی یافتہ ممالک صرف لب کشائی کے بجائے عملی اقدامات کرتے اور موثر طور پر بین الاقوامی حدت کو روکنے کی سر توڑ کوشش کرتے تو اس دنیا کو بچایا جا سکتا تھا۔ مایا کا اصرار کہ بس یہی وقت انتہائی اہم تھا موجودہ حقائق سے اس قدر قریب ہے کہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں مایا قوم کے باقی اندازے بھی سچ نہ ثابت ہو جائیں۔ یہ بھی سائنس کی دنیا میں عام ہے کہ قطب جنوبی اور قطب شمالی ایک دوسرے کے ساتھ جگہ تبدیل کرتے ہیں اور ایسا ہی ہمارے سورج پر ہوتا ہے۔ سورج پر یہ تبدیلی ہر 11 سال کے بعد اور زمین پر تین لاکھ سال کے بعد ہوتی ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ زمین پر یہ تبدیلی شروع ہو چکی ہے اور دونوں قطب ایک دوسرے سے دور ہوتے جارہے ہیں جس کی رفتار 20 سے 30 کلو میٹر ہر سال ہے۔ یہ دونوں مقناطیسی لہروں کے دوسرے ہیں، ان کی مقناطیسی لہروں کا جال زمین پر انسان کو سورج کی ضرر پہنچانے والی شعاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر یہ ایک دوسرے سے زیادہ دُور چلے گئے تو یہ جال بکھر جائے گا اور زمین کم سے کم 100 سال کے لئے ایک دوزخ کی شکل اختیار کر لے گی۔ درجہ حرارت میں اضافے کی ایک وجہ اگر غیر متوازن صنعتی سرگرمیاں ہیں تو دوسری جانب انسانوں کا فطری ماحول میں بڑھتا ہوا عمل دخل اور حد سے تجاوز کا شوق ہے۔

گلوبل وارمنگ کی تلوار ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے۔ ہماری دنیا کا درجہ حرارت مسلسل اور تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، جس کے باعث ہماری

دنیا کو مستقبل قریب میں متعدد سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس صورت میں کرۂ ارض پر زندگی کا برقرار رہنا مشکل ہو جائے گا، جب کہ کچھ کا خیال ہے کہ بھوک اور پیاس کے علاوہ ماحولیاتی تبدیلیاں اس کرّے پر قیامت برپا کردیں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے نتیجے میں انسان کا اس سیارے پر رہنا مشکل ہو جائے اور رفتہ رفتہ زندگی فنا ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نوع انسانی اپنی زندگی کی بقاء کے دوسرے قدرتی طریقوں تک پہنچ جائے اور آنے والے ماحول سے مطابقت پیدا کرلے۔

پیٹرول اور ڈیزل کے بڑھتے ہوئے استعمال نے دنیا بھر میں ایسی خطرناک آلودگیاں پیدا کی ہیں کہ جس کے باعث کرۂ ارض پر ہر نوع کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ کاروں، کارخانوں سے خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ و مونو آکسائیڈ گیسوں نے کرۂ ارض کے ماحول کو آلودہ بنا دیا ہے۔ جاپان کے شہر کیوٹو Koyto میں 10 دسمبر 1997 ء میں دنیا بھر کے ایک سو ساٹھ ملکوں کے سائنسدانوں کے اجتماع نے یہ آخری انتباہ دیا تھا کہ امریکہ و یورپ کے دولت مند ملکوں نے اگر اس کی روک تھام کے فوری طور پر مطلوبہ اقدامات نہیں کیے تو 2020 ء تک کرۂ ارض ہلاکت وتباہی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی وضاحت کی تھی کہ فضائی آلودگیوں میں اضافے کے سبب اکیسویں صدی میں کرۂ ارض کا درجہ حرارت اس حد تک بڑھ جائے گا، جس کے نتیجہ میں براعظم امریکہ، ایشیاء اور آسٹریلیا ریگستانی براعظم بن جائیں گے۔ مشہور زمانہ سائنسدان جیمس لولاک james Lovelock کا ایک

رونگٹے کھڑے کر دینے والا مضمون جس کا عنوان کچھ اس طرح تھا By 2050 AD Earth Will Be Arid And Empity میں انہوں نے لکھا تھا کہ ''ہم ایک ایسے انجام کے کنارے پہنچ چکے ہیں کہ 2050ء تک ایک ایک کر کے لوگ مرنے لگیں گے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہوگا جس کو اس سے پہلے انسان نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ جو کچھ ہونے والا ہے اس کی وجہ سے ہم میں سے اگر 20 آدمی بھی بچ جائیں تو وہ خوش قسمت انسان ہوں گے''۔

امریکہ کے مشہور سائنسی ادارے ناسا NASA کے مشہور زمانہ سائنسدان جیمس ہنسین (James Hansen) نے جو برسوں سے گلوبل وارمنگ کے خطرے سے دنیا کو متنبہ کرتے رہے ہیں، اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے حالات اب اتنے زیادہ خراب ہو چکے ہیں کہ دنیا کے لئے اب یہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ ذمہ داروں کی طرف سے انتہائی سخت اقدامات کئے جائیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ گرین ہاؤس گیسوں کو 1988ء کی حد پر دوبارہ واپس لایا جائے۔ کیونکہ اب کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار اتنی زیادہ بڑھ چکی ہے کہ اگر مزید بیس سال تک یہی رفتار رہی تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا اور انسان کا وجود ہی سرے سے مٹ جائے گا۔ اب ہمارے لئے یہ آخری موقع ہے''۔

جغرافیہ دانوں کے مطابق براعظم انٹارکٹیکا جس کے تقریباً 130 لاکھ اسکوائر کلومیٹر رقبے کو برف کی سفید تہہ نے ڈھانپ رکھا ہے اور اس کی گہرائی کا اندازہ 4270 میٹرز لگایا جاتا ہے، انٹارکٹیکا میں موجود برف کی اس تہہ کو اصطلاحاً

آئس شیٹ کہا جاتا ہے اور اس طرح کی مزید آئس شیٹس شمالی یورپ، شمالی امریکہ اور ایشیاء کو بھی ڈھانپے ہوئے تھیں۔ مگر یہ بات ہے آج سے 30000 سال پہلے کی، آج اس طرح کی آئس شیٹس صرف انٹارکٹیکا گرین لینڈ میں موجود ہیں اور اب اس آئس شیٹ کو بھی وقت کا ہاتھ مٹانے پر تلا ہوا ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ تاریخ کے صفحات میں قصور واروں میں ہمارے دور کی نسلوں کا نام سرفہرست ہوگا۔

برطانوی آرکیٹیکٹ سروے سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے انٹارکٹیکا میں قطبین پر موجود برف اندازے سے زیادہ تیزی سے پگھل رہی ہے۔ ان سائنسدانوں کو یقین ہے کہ دُنیا بھر میں سمندروں کی سطح میں برف کے پگھلاؤ کی وجہ سے ہونے والے اضافے کی رفتار لگائے جانے والے اندازوں سے کہیں زیادہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ گزشتہ 50 برسوں کے دوران انٹارکٹیکا کے جزیرے کی سمندری برف کا 13 ہزار مربع کلومیٹر حصہ پانی بن چکا ہے۔

انٹارکٹیکا کے اس جزیرہ نما میں سمندری برف کے پگھلنے سے سمندری گلیشیرز کو روکنے والی دیوار ختم ہوتی جارہی ہے اور اس کے نتیجے میں یہ گلیشیرز پہلے سے 6 گنا زیادہ رفتار سے سمندروں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس حوالے سے دُنیا کے 130 ملکوں سے تعلق رکھنے والے ڈھائی ہزار سائنسدانوں پر مشتمل وہ سائنسدان جنہیں اقوامِ متحدہ کے عالمی ادارۂ صحت (W.H.O) نے موسمی اثرات کے رونما ہونے کے پس منظر میں اپنے اظہار خیال کیلئے مجتمع کیا تھا،

واضح طور پر کہا تھا کہ صنعتی دَور سے پہلے کے مقابلے میں اب زمین کی اوپری فضا اتنی گرم ہوگئی ہے کہ جس سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ قطبین پر جمے برف کے پہاڑ نیز گلیشیرز مسلسل پگھل کر سمندر کی سطح میں اضافہ کرتے جائیں گے جس کے باعث ساحلی شہراوران کے نزدیکی مقامات تمام کے تمام پانی میں غرق ہو جائیں گے۔

نومبر 2002ء میں ناسا کی رپورٹ کے مطابق دُنیا بھر میں گلیشیرز کی برف ہر سال 9 فیصد کی شرح سے پگھل رہی ہے۔ اگر یہی صورتحال رہی تو سمندری سطح میں اضافہ، سیلاب کی تباہ کاریاں، خشک سالی، قحط، موسمی تبدیلی اور خطرناک دباؤ پھیل سکتا ہے۔

کچھ ماہرین کے مطابق اس سنگین بحران کے باعث درج ذیل نہایت خوفناک تبدیلیاں ظاہر ہوں گی۔

گلوبل وارمنگ کے نتیجے میں آئندہ آنے والے بیس برسوں کے دوران Great Barrier Reef مکمل طور پر فنا ہو جائے گی۔ یہ مونگے اور مرجان کی ساحلی چٹانیں ہیں جن کی لمبائی لگ بھگ 2,011 کلومیٹر (1250 میل) ہے اور جو آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل کے مقابل واقع ہیں اور ان کے رنگ برنگے اور شوخ رنگوں والے کنارے اپنی بے مثال حسین و جمیل مچھلیوں اور خول دار جانوروں مثلاً جھینگے، کیکڑوں اور سیپیوں کیلئے مشہور ہیں مگر یہ سب سمندر کے گرم ہوتے پانی کی وجہ سے اس حد تک اپنی خوبصورتی کو کھودیں گی کہ بیس سال کے اندر اندر ان کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

آسٹریلین انسٹی ٹیوٹ آف میرین سائنس کے سابق چیف سائنٹسٹ چارلی ویرن کا کہنا ہے:

''اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ لگ بھگ بیس سال کے قلیل عرصے میں Great Barrier Reef کا وجود بھی نہیں رہے گا۔ بس ایک بار کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اسے نشانہ بنانے کی دیر ہے، جس کی پہلے سے پیش گوئی کی جا چکی ہے اور یہ سانحہ 2030ء اور 2060ء کے درمیان کسی بھی وقت پیش آسکتا ہے، اس کے بعد مونگے اور مرجان کی یہ بے مثال چٹانیں تباہی کی طرف گامزن ہو جائیں گی''۔

گلوبل وارمنگ کا دوسرا نشانہ امیزون کے بارانی جنگلات بنیں گے جو ایک ریگستان کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ امیزون کے بارانی جنگلات دُنیا بھر کے جانداروں کی کروڑوں اقسام کا مسکن ہیں اور انہی کی وجہ سے یہاں حیات کی پرورش ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ جنگلات ہماری دُنیا کے ایئر کنڈیشنر بھی ہیں اور دُنیا کے تازہ پانی کی مجموعی مقدار کا پانچواں حصہ فراہم کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ امیزون دُنیا کے سب سے بڑے استوائی بارانی جنگلات ہیں۔ تاہم گلوبل وارمنگ اور جنگلات کی بے دریغ کٹائی ان کے مثبت کردار کو منفی کردار میں بدل رہی ہے۔ آب و ہوا کی یہ تبدیلی 30 سے 60 فیصد بارانی جنگلات کو خشک اور بنجر استوائی یا ذیلی استوائی گھاس کے میدانوں میں بدل رہی ہے۔

ماہرین اس خدشے کا اظہار کر رہے ہیں کہ 2050ء تک یہ جنگل مکمل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

ماہرین گلوبل وارمنگ کے باعث دُنیا میں بعض منفی تبدیلیوں کے خدشے کا اظہار کر رہے ہیں مگر صحرائے صحارا کے بارے میں ان کا یہ کہنا ہے کہ یہاں مثبت تبدیلی آ سکتی ہیں۔ سائنسدانوں نے صحرائے صحارا میں ایسی علامات دیکھی ہیں کہ اس خطے اور قرب و جوار کے علاقے میں مسلسل ہونے والی بارش کے باعث یہاں سر سبزی اور شادابی آنے لگی ہے۔ اگر اس خطے میں بارش کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو توقع کی جا سکتی ہے کہ یہاں کے علاقوں سے خشک سالی کی کیفیت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اس پورے خطے میں زراعت کا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے، جس کے ساتھ ساتھ یہاں کسانوں کی آبادیاں بھی قائم ہو سکتی ہے، جس کے باعث اس خطے کی صدیوں کی ویرانی کا خاتمہ ممکن ہے۔ اسے ہم ریگستان کے سکڑنے کا عمل کہہ سکتے ہیں اور اس عمل کو آب و ہوا کی مدد بھی حاصل ہو گی، جس کے بعد صحارا کا یہ ویران اور بنجر علاقہ اسی طرح سر سبز اور شاداب ہو جائے گا جس طرح کوئی 12,000 سال پہلے ہوا کرتا تھا۔

گلوبل وارمنگ اپنے دامن میں ایک اور بڑا خطرہ بھی ساتھ لا رہی ہے وہ یہ ہے کہ سمندری طوفان، طوفانِ بادوباراں اور ہوائی طوفان اتنی شدت کے ساتھ آئیں گے، جو امریکہ میں آنے والے طوفان "کترینہ" سے بھی زیادہ تباہ کن ہوں گے۔ ویسے ابھی تک سائنسدان اس بات کا تعین نہیں کر سکے ہیں کہ آیا کترینہ کا کوئی تعلق گلوبل وارمنگ سے تھا یا نہیں، لیکن ایسی علامات موجود

ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گلوبل وارمنگ کترینہ سے کہیں زیادہ شدید سمندری اور ہوائی طوفانوں کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ طوفان چاہے سمندری ہو یا ہوائی یا طوفان بادو باراں، ان سب میں گرم پانی ان کی شدت میں بے پناہ اضافہ کر سکتا ہے اور جب ہمارے عالمی درجۂ حرارت میں اضافہ ہوگا اور سطح سمندر کا درجۂ حرارت بھی بڑے گا تو ان طوفانوں میں خود بخود شدت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ اس کے ساتھ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے سطح سمندر بھی بلند ہو جائے گی، جس کی وجہ سے طوفان زیادہ تباہ کن ہو جائیں گے اور دُنیا بھر کے ساحلی مقامات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ یہ زیرِآب بھی آ سکتے ہیں اور ان کی وجہ سے ساحلی بستیوں کا نام ونشان بھی مٹ سکتا ہے۔ ماہرین کے مطابق سطح سمندر میں صرف دوفٹ کی بلندی امریکہ کے میسوچیوسٹس کے برابر سائز کے ایک پورے ٹکڑے کو کھا سکتی ہے۔

اس سے پہلے ماہرین مسلسل یہ کہہ رہے تھے کہ صرف مونگے اور مرجان کی چٹانیں یا نشیبی علاقے اور جزائر ہی صفحۂ ہستی سے مٹ سکتی ہیں، مگر اب یہ کہا جا رہا ہے کہ لندن جیسا محفوظ شہر بھی گلوبل وارمنگ کی زد میں آ گیا ہے اور اس کے معدوم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی آبادیوں والے شہروں کے معدوم ہونے کے خطرات پیدا ہو رہے ہیں۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہ شہر پہلے جزوی طور پر سمندر میں جائیں گے اور اس کے بعد مرحلے وار انہیں سمندر مکمل طور پر نگل لے گا۔ اس کی وجہ بھی گلوبل وارمنگ کے باعث سمندر کی سطح میں پیدا ہونے والی بلندی ہے اور اس کے نتیجے

میں طوفان اور سیلاب آ سکتے ہیں، جو ساحلی علاقوں اور شہری آبادیوں کو مستقل طور پر زیرِ آب لے آئیں گے۔ ایسے شہر ایک دو نہیں ہیں، بلکہ دُنیا بھر کے درجنوں شہر اسی انداز سے مٹ سکتے ہیں۔ ان شہروں میں لندن اور نیویارک بھی شامل ہیں۔

گلوبل وارمنگ انڈونیشیا کو بری طرح متاثر کرے گی جس کے نتیجے میں اس ملک کے لگ بھگ دو ہزار جزائر دُنیا سے ایسے مٹ جائیں گے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ ماہرین نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ انڈونیشیا کے ان دو ہزار چھوٹے جزائر کے غائب ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا، زیادہ سے زیادہ 2030ء تک یہ جزائر اپنا وجود کھو چکے ہوں گے۔ اس کا سبب ایک طرف تو گلوبل وارمنگ بتائی جارہی ہے اور دوسری جانب ضرورت سے زیادہ کان کنی اور ماحول کو تباہ کرنے والی دیگر سرگرمیاں بھی اس کا سبب ہیں۔ واضح رہے کہ انڈونیشیا مجموعی طور پر 17,500 سے بھی زیادہ چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے، جس میں سے 24 جزائر پہلے ہی سمندر برد ہو چکے ہیں۔

گلوبل وارمنگ کے باعث کوہ الپس کا برفانی سلسلہ مکمل طور پر پگھل سکتا ہے۔ ہم کافی عرصے سے دیکھ رہے ہیں کہ عالمی درجۂ حرارت میں اضافے سے دُنیا بھر کے گلیشیرز مسلسل پگھل رہے ہیں اور یہ اسی گلوبل وارمنگ کا نتیجہ ہے کہ آج دُنیا بھر میں خشک سردیاں اور شدید ترین گرمیاں پڑ رہی ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق 2009-2008 کے برفباری کے زمانے میں اسکیئنگ سیزن بس واجبی سا رہا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کم بلندیوں

پر پہاڑوں پر برف کم پڑی، گلیشیرز مسلسل پگھلتے رہے، جس کے باعث دُنیا بھر میں موسمِ سرما کا سیاحتی سیزن بری طرح متاثر ہوا۔ ماہرین ماحولیات کا کہنا ہے کہ 2030ء اور 2050ء کے درمیان دُنیا بھر کے گلیشیرز ختم ہو جائیں گے۔ گلوبل وارمنگ کے باعث جب الپائن کے گلیشیرز پگھلے تو اٹلی اور سوئٹزرلینڈ نے طے کیا کہ وہ اپنی سرحدوں کی نئی حد بندی کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الپائن گلیشیرز ہی ان دونوں ملکوں کے درمیان سرحد کا کام کرتے تھے۔

گلوبل وارمنگ جزائر مالدیپ کو بھی جزوی طور پر غرقاب کر دے گی۔ واضح رہے کہ مالدیپ دُنیا کا سب سے نشیبی اور سب سے زیادہ ہموار ملک ہے۔ یہ ملک ساحلی کٹاؤ کی مشکل سے دوچار ہے اور اگر سمندر کے پانی کی سطح مسلسل بڑھتی رہی تو اندیشہ ہے کہ یہ ملک جزوی طور پر سمندر میں غرق ہو جائے گا۔ ویسے بھی اس کا سائز مسلسل چھوٹا ہوتا جا رہا ہے۔ ایک طرف تو مالدیپ میں رہنے والوں کیلئے ایک نہایت خطرناک اور تباہ کن خبر ہے تو دوسری جانب ان سیاحوں کیلئے بھی بری خبر ہے جو ہر سال اس ملک کے نرم ریت والے اور سفید ساحلوں اور اس کے سمندر کے گرم پانی سے لطف اندوز ہونے آتے ہیں۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک صدی میں یہ ملک مکمل طور پر اس سمندر کے اندر چلا جائے گا جس نے اسے گھیر رکھا ہے۔

ابن وصی

روحانی ڈائجسٹ، دسمبر 2009ء

بھید

یکم اپریل 2009ء کو ایکسپریس نیوز چینل کے پروگرام ''بھید'' میں دِکھائی گئی
21 دسمبر 2012ء پر اُردو زبان کی پہلی ڈاکومنٹری

EXPRESS
news

جنگوں کی آگ میں جھلسی ہوئی اِنسانیت اِن دنوں ایک عجیب و غریب مفروضے کے نرغے میں آئی ہوئی ہے۔ بیشتر مفکرین، قدیم تہذیبی معلومات، سائنسی نظریات، پیشین گو افراد کے دعاوی اور موجودہ عالمی صورتِ حال کو ایک کڑی میں پروتے ہوئے یہ خوفناک اعلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ دُنیا 21 دسمبر 2012ء میں یا تو تباہ ہو جائے گی یا مکمل طور پر تبدیل ہو جائے گی۔

کہانی جتنی ہی طویل کیوں نہ ہو آخر ایک نہ ایک دِن ختم ہو ہی جاتی ہے۔ شاید اِسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہر کہانی کا اختتام ایک نئی کہانی کا آغاز بن جاتا ہے۔ کیا اِس دُنیا کی کہانی بھی اپنی تباہی کی عمر کو پہنچ رہی ہے؟ کئی مکاتبِ فکر اِن دنوں بدحواسی کے عالم میں شور مچا رہے ہیں کہ ٹھیک 21 دسمبر 2012ء کو دُنیا مکمل طور پر تبدیل ہو جائے گی ...... آخر اِس دن ایسا کیا ہونے والا ہے؟

''21 دسمبر 2012ء کو ہمارا سیارہ زمین کائنات کے مرکز کے ساتھ ایک ہی دفعہ ہم آہنگ ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے دُنیا میں

انسان بلکہ یہاں تک کہ ہمارے سیاروں،
نظامِ شمسی، ان سب کے اوپر کافی گہرا اثر
توانائی کی صورت میں ہوگا۔''

شہریار ملک (محقق)

قدرت نے کائنات کا مزاج ہی ایسا بنایا ہے کہ اس کی ہر تخلیق کو ایک نہ ایک دن فنا کا مزا ضرور چکھنا پڑتا ہے۔ جب زمین پر پہلا انسان اُتارا گیا اُس وقت سے آج تک اس کثیر جہتی دُنیا کے ختم ہوجانے کا خوف انسان کے دِل میں بیٹھا ہوا ہے۔ انسان اپنے ارتقاء کے اوائل میں قدرت کے عظیم الشان مظاہر دیکھ کر ڈر جاتا تھا۔ سورج گرہن ہوتا تو سمجھتا تھا کہ بس دُنیا اب ختم ہونے والی ہے۔ آندھی چلتی تو اس کے ذہن میں بقا کے طوفان کھڑے ہوجاتے، سیلاب آتے تو ڈوبنے والا انسان یہ سمجھتا تھا کہ آخر کار قیامت نے اس کی زمین کو آ دبوچا ہے، آتش فشاں جب لاوا اُگلتے تو انسان اسے خالق کا غیض و غضب جان کر یہ سمجھ بیٹھتا کہ اب دُنیا کو جل کر راکھ ہوجانے سے کوئی نہیں بچا سکتا، زلزلے آتے تو چیختی ہوئی زمین چیخ چیخ کر یہ اعلان کرتی کہ زمین کے جسم پر دراڑیں پڑ گئی ہیں، اب یہاں زندگی کا کوئی سوال نہیں۔ لیکن زندگی کی یہ شاہراہ پتہ نہیں کتنی قیامتوں سے گزرنے کے باوجود آج بھی پوری توانائی کے ساتھ رواں دواں ہے۔

''میں نے 21 دسمبر 2012ء کا فلکیات کے
حساب سے زائچہ بنا کر دیکھا ہے اُس میں

میرا نہیں خیال کہ کوئی ایسی تبدیلی ہو گی جو
کسی نقصان کا سبب ہو۔ قدرتی تباہی کہہ
لیں یا کوئی اور منفی پہلو!''

عظیم جعفری (ماہر علم نجوم)

صدیاں گزر جانے کے باوجود آج کی مہذب ترین دُنیا بھی زندگی کے وجود اور عدم کے اس خوف سے باہر نہیں نکل پائی۔ آنے والے کل سے گھبرائے ہوئے آج کے انسان کو صدیوں پرانی پیشین گوئیوں کی صدائیں سنائی دے رہی ہیں۔ قدیم روایات کی علامتی تشریحات ذہنوں میں انہونی کا خوف اُجاگر کر رہی ہیں۔ صرف یہ ہی نہیں سائنسی توجیحات، تاریخ کے اوراق اور دُنیا کے حالیہ حالات ماضی میں کی جانے والی مستقبل کی پیشین گوئیاں بہ آواز بلند یہ اعلان کرتی ہیں کہ زندگی کا پہیہ رُکنے والا ہے۔ یہ نظامِ آب و گل خلابُرد ہونے والا ہے۔ زندگی کی کثیر جہتی ایک نقطے میں مقید ہونے والی ہے اور آخری دِن (End of Time) آنے والا ہے۔

سائنس کہتی ہے کہ کائنات ایک دھماکے یعنی Big Bang سے وجود میں آئی۔ کیا زندگی کا اختتام بھی کسی خوفناک دھماکے سے ہو گا؟ اگر ایسا ہے تو پھر زندگی کا اختتامی دھماکہ کب ہو گا؟ 21 دِسمبر 2012ء کو؟...... یا پھر...... کسی اور دِن؟

بقا و فنا کے سوال میں اُلجھے ہوئے سیماب فطرت اور پر تجسس انسانوں نے آنے والے دِنوں کی ایک انتہائی خوفناک تصویر بنا ڈالی ہے۔ گماں گشت

پورے یقین سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ 21 دسمبر 2012ء کا دِن زمین پر قیامت بن کر اُبھرنے والا ہے۔ 21 دسمبر 2012ء کے حوالے سے اِن کے پاس پہلا ثبوت مایان کیلنڈر (Mayan Calendar) ہے۔ یہ کیلنڈر بنانے والی مایان تہذیب کا سراغ 609 قبل مسیح سے ملتا ہے۔ یہ قوم اپنے وقتوں میں علم کا سمندر سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے ستاروں کی چالوں اور دیگر علوم کو سامنے رکھ کر ایک ایسا کیلنڈر بنایا جس کی سوئی 21 دسمبر 2012ء پر آ کر رُک جاتی ہے۔ اِس کیلنڈر کے حساب سے اِس دِن کے بعد دُنیا یا تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تبدیل ہو جائے گی یا مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائے گی۔

''اگر ہم مایان کے کھنڈرات کا جائزہ لیں تو
اُن لوگوں نے تحریری یا تصویری شکل میں
جتنا بھی مواد چھوڑا ہے، اگر اُس کو پڑھا
جائے اور اُن کی پیشین گوئیوں کو دیکھا
جائے تو آج دُنیا میں ہماری زمین پر جو
واقعات رونما ہو رہے ہیں اُن میں بہت
سچائی ہے یعنی کہ اُن کی پیشین گوئی کی
قابلیت بہت غیر معمولی تھی اور اُنہوں نے
آج تک جو بھی پیشین گوئی کی ہے وہ بالکل
صحیح ثابت ہوئی ہے۔ لیکن ایک جگہ مسائل
شروع ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے

صرف 21 دسمبر 2012ء تک کی پیشین گوئی
کی اور اُن کے حساب سے 21 دسمبر
2012ء کے آگے اُن کو کچھ نظر نہیں آ رہا۔''

شہریار ملک (محقق)

کیا صرف مایان کیلنڈر پر اکتفا کر کے یہ یقین کر لینا چاہئے کہ
21 دسمبر 2012ء نسلِ انسانی، تاریخ کا ہولناک ترین دِن
دیکھے گی؟ یا اِس دِن کے بارے میں پائے جانے والے دیگر
حوالے بھی کسی انہونی کی طرف اشارہ کرتے دکھائی دیتے
ہیں؟

2012ء کے بارے میں سائنس بھی کئی عجیب و غریب مفروضوں کے
درمیان گِھری کھڑی ہے۔ NASA کے مطابق سورج اپنے مدار کے گرد
11 سال میں ایک چکر مکمل کرتا ہے اور 2012ء میں ایرس نامی سیارہ سورج کے
قریب آ جائے گا۔ اس کی کشش کی وجہ سے سورج اپنا رُخ تبدل کر لے گا، ایسا
ہونے سے زمین کو منفی لہریں اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور زمین پر شمسی طوفان
آ جائے گا۔

اس ستارے کے متعلق یہ تحقیقات بھی سامنے آئی ہیں کہ ایرس
ہمارے نظامِ شمسی کے قریب 3600 سال میں ایک بار آتا ہے۔ ایسے میں پھر
یہ سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ آج سے 3600 سال پہلے بھی ایرس سورج کے
سامنے آیا ہو گا تو پھر اُس وقت قیامت کیوں نہیں آئی؟ اگر وہ لمحہ انسان پر

قیامت بن کر ٹوٹا بھی تھا تو اِس بارے میں تاریخ اتنی خاموش کیوں ہے؟

ماہرین کے یہ اندازے آخر کیسے ثابت کرتے ہیں کہ ایک خاص سال کا کوئی مخصوص دِن ایسا آئے گا کہ اُس کے بعد پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ایسے اندازے تو معلوم نہیں کتنی صدیوں سے لگائے جا رہے ہیں۔ آخر اِن اندازوں کی صداقت کو پرکھا کیسے جاسکتا ہے؟

قطبین کی تقلیب (Polar Shift) تھیوری کے بارے میں ماہرینِ فلکیات کہتے ہیں کہ ایک ایسی تبدیلی آنے والی ہے جس کے دوران چند ہی دِنوں یا گھنٹوں میں قشرِارض آناً فاناً سکڑ جائے گا۔ اِس کے نتیجے میں شمالی اور جنوبی قطب اپنا محل وقوع یا مقام تبدیل کر لیں گے، گلیشیرز پگھل جائیں گے، زمین زلزلوں سے چٹختی چلی جائے گی، بلند و بالا سمندری لہریں سب کچھ اپنی لپیٹ میں لے لیں گی، آتش فشاں پھٹ پڑیں گے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

”جس طرح قطبِ جنوبی ہمارے ساتھ چل رہا ہے یہ اُلٹا چلنے لگے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ قطبِ شمالی، قطبِ جنوبی کی طرف چلنے لگ جائے گا اور قطبِ جنوبی، قطبِ شمالی کی طرف چلنے لگ جائے گا۔ اِس سے ہمارے سیارے پر بہت منفی اثرات مرتب

ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جن جگہوں کو ہم لوگ
ٹھنڈا سمجھتے تھے اور جہاں پر ہر جگہ برف ہی
برف ہے یہ ساری کی ساری برفیلی جگہ
پگھل سکتی ہے، دُنیا میں پانی بڑھ سکتا ہے
اور وہ جگہ جہاں پر انسان ابھی آباد ہیں جس
کو ہم لوگ سمجھ رہے ہیں کہ گرم جگہیں ہیں،
یہی جگہیں کل ٹھنڈی جگہیں بن کر مکمل طور
پر برف کے اندر لپٹ سکتی ہیں، تو قطبین کی
تبدیلی سے ہمارے سیارے پر بہت سی طبعی
اور جغرافیائی تبدیلیاں آ سکتی ہیں جو
اِنسانوں پر بہت گہرے انداز سے اثر انداز
ہو سکتی ہیں اور ہمارے رہنے سہنے کے
پورے نظام کو تبدیل کر سکتی ہیں۔''

شہر یار ملک (محقق)

Orion پیشین گوئی میں لکھا ہوا ہے کہ قطبین میں تبدیلی ہو گی تو زمین سورج اور ہماری کہکشاں سب ایک قطار میں آ جائیں گے۔ اس کتاب کے مطابق ایسا پچیس ہزار آٹھ سو (25800) سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ ایسا ہونے سے زمین کا مقناطیسی میدان اپنا رُخ تبدیل کر لے گا۔ مشرق اور مغرب کی سمتیں تبدیل ہو جائیں گی اور دُنیا کا کوئی علم نہیں جانتا کہ ایسی صورتِ

حال میں اس زمین اور اِس پر بسنے والوں کے ساتھ کیا ہوگا؟ اس کتاب کے مصنف کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ 2012ء میں ہی وقوع پذیر ہوگا۔

''مخفی علوم میں کامل دسترس حاصل کرنے کے بعد یہ ممکن ہے کہ متعلقہ شخص ٹھوس تحقیق کے بعد مبنی بر حقیقت نظریہ پیش کرے۔ یہ عین ممکن ہے۔''

عظیم جعفری (ماہر علم نجوم)

''اس کا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان کی ذہنی اور طبعی صلاحیتیں بڑھ جائیں گی۔ آپ نے مافوق الفطرت طاقتوں کے بارے میں سنا ہوگا جو عجیب سا لگتا ہے۔ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہوا ہے کہ ایک انسان کسی چیز کو ہلانا چاہتا ہے تو وہ ہاتھ سے ہلانے کی بجائے صرف اپنے دماغ کی طاقت سے ہلا سکتا ہے۔ ایسی باتیں جو ہیں وہ 21 دسمبر 2012ء کے بعد بالکل رونما ہوسکتی ہیں۔ مگر کوئی قدرتی تباہی، منفی اثرات، قطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی کا ادھر اُدھر ہو جانا، سرد علاقوں میں گرمی پڑنا اور گرم علاقوں کا

سرد ہو جانا، یہ سب کچھ مجھے نظر نہیں آ رہا۔“

شہر یار ملک (محقق)

انجیل کے بعض شارحین کہتے ہیں کہ اکیسویں صدی کے اوائل میں Astriod، meteor اور دم دار سیارے زمین سے ٹکرا جائیں گے۔ جبکہ احادیثِ نبوی ﷺ میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ 3 مقامات پر زمین دھنس جائے گی۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں اور علامات تو بتائی ہیں لیکن کوئی مخصوص وقت نہیں بتایا۔

یہاں پیدا ہونے والا سوال یہ ہے کہ کیا زمین پر آنے والی اِس قیامت میں آسمان پر تیرتے ہوئے سیاروں کا ہی عمل دخل ہو گا؟ ......یا...... زمین پر یہ دِن اس پر بسنے والی مخلوق کے اعمال کا نتیجہ ہو گا۔

ویب باٹ پراجیکٹ ایک ایسی آرٹیفیشل انٹیلی جینس ٹیکنالوجی ہے جو انٹرنیٹ سمیت دُنیا بھر میں شائع ہونے والی تمام تر معلومات کو سکین کر کے ایسی پیشگوئیاں کرتی ہے جو اکثر اوقات حالات و واقعات پر پوری اُترتی ہیں۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب ویب باٹ پراجیکٹ سے 21 دسمبر 2012ء کے بارے میں کچھ پوچھا جاتا ہے تو یہ مشین پراسرار طور پر مکمل خاموش ہو جاتی ہے۔ چند تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ دُنیا جنگوں کے نتیجے میں اتنی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے اور حالات اتنے خوفناک دھارے پر بہہ رہے ہیں کہ یہ آرٹیفیشل انٹیلی جینس مشین بھی آنے والے دِنوں کی ہولناکی دیکھ کر اپنے لب سی لیتی ہے۔

''ویب باٹ پراجیکٹ ایک ایسا جدید ترین
سافٹ ویئر ہے، یہ ایک ایسی ٹیکنالوجی
اِنہوں نے بنائی ہے جس سے مستقبل کے
بارے میں کافی پیشین گوئیاں کی جا سکتی
ہیں۔ یہ 1999ء میں بنایا گیا تھا اور اس
کے اندر حیران کن بات یہ ہے کہ اس نے
آج تک جو بھی پیشین گوئی کی ہے وہ مکمل
طور پر پوری ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ اس
نے 9/11 کی بھی پیشین گوئی کی تھی۔ یہ
انٹرنیٹ کے اوپر استعمال ہوتا ہے اور
انٹرنیٹ کی ساری انفارمیشن کی جانچ پڑتال
کرتا ہے اور اس کو پڑھ کر یہ انسان کے
لاشعوری ذہن کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور
دیکھا گیا ہے کہ نفسیات کے مطالعہ میں
اِنسان کا لاشعوری ذہن بڑا ضروری ہے۔
کیونکہ اِسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ کیا
رجحانات وقوع پذیر ہونے والے ہیں، کیا
چیزیں ضروری ہیں، جو اِنسان کے دماغ
میں ہوتا ہے وہی آگے ہوتا ہے۔ لیکن جو

ایک عجیب سی بات ہے اس ویب باٹ
ٹیکنالوجی نے بھی کہا ہے کہ 21 دسمبر
2012ء سے آگے کچھ قیاس کرنا ممکن
نہیں۔"

شہریار ملک (محقق)

دفاعی ماہرین یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ دُنیا میں کبھی بھی، کسی بھی وقت تیسری عالمگیر جنگ چھڑ سکتی ہے جس میں ایٹم بموں کے بے تحاشہ استعمال سے زمین اپنے محور سے نکل کر خلاؤں میں بھٹک بھی سکتی ہے۔ اور اپنی ساخت بھی تبدیل کرسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک مکتبۂ فکر کو یہ فکر بھی ہلکان کر رہی ہے کہ 2012ء کو چند طاقتیں واضح طور پر نیو ورلڈ آرڈر نافذ کرنا چاہتی ہیں، اور ایسا کرنے کیلئے 2012ء کے بارے میں عجیب وغریب پیشین گوئیاں دُنیا کے سامنے لائی جارہی ہیں تاکہ دُنیا محکوم ہونے کیلئے اپنا ذہن پہلے سے ہی تیار کرلے اور ایسا کرنے والی طاقتیں عالمی جنگ برپا کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گی۔ جبکہ ناسٹراڈیمس تیسری عالمی جنگ کے بارے میں عجیب وغریب تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اِنسانوں کیلئے زبردست تباہی کے بعد اس سے بھی بڑی تباہی اُس وقت آئے گی جب صدی ختم ہوکر نئی صدی شروع ہوگی، خون کی بارش ہوگی، دودھ کا قحط ہوگا، جنگ اور بیماریاں نازل ہوں گی، اور آسمان پر ایک ایسی آگ نظر آئے گی جو اپنے پیچھے چنگاریاں چھوڑتی ہوئی چلی جائے گی۔

اکثر افراد ناسٹراڈیمس کی اِس پیشین گوئی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایٹمی جنگ کی طرف اشارہ ہی ہے کہ اشرف المخلوق کہلانے والے اِنسان نے اپنے ہی قبیلے کیلئے تباہی کے ایسے ہتھیار ایجاد کر لئے ہیں جو تمام انسانیت کیلئے شدید ترین خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

''میرے حساب سے یہ جو جگہ جگہ 21 دسمبر 2012ء کے بارے میں یہ ویب باٹ اور دیگر امور زیر بحث لائے جا رہے ہیں، سوائے ایک شوشا کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں جیسے کہ میں نے اِس کے بارے میں شروع میں کہا کسی اسرارِ مخفی میں کہہ لیں کہ ایک نیا عبور حاصل ہو جانا، ایک نئی تحقیق ہو جانا یا ایک نئے علم کی مدد سے مافوق الفطرت طاقت حاصل کرنا، وہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ نفسیاتی علوم کے حوالے سے کئی مغربی پروگرامز دیکھنے میں آئے ہیں جن میں کوئی گلاس دیکھ رہا ہے تو گلاس ٹوٹ جاتا ہے۔ کوئی ایسی انہونی چیز...... کہ آگ جلائی اور ہاتھ سے صاف کر دی گئی۔''

عظیم جعفری (ماہر علم نجوم)

''ابھی ہم حوت (Pisces) کے
زمانے سے گزر رہے ہیں جسے لوگ
دھوکہ دہی کا زمانہ بھی کہتے ہیں اور
21 دسمبر 2012ء کے بعد ہم زمانہ
دِلو (Aquarius) میں جانے والے
ہیں۔ حوت کے زمانے سے پہلے
(100،200 ق۔م کے قریب) کی
بات ہے تب بھی جو کتابیں لکھی جاتی
تھیں اُس وقت کی باتیں بھی لوگوں کو
بہت عجیب لگتی تھیں۔ لیکن پھر ہم
حوت کے زمانے میں جائیں تو جو
باتیں پہلے لکھی گئی تھیں وہ خودبخود
زمانۂ حوت میں واضح ہوگئی تھیں۔ اگر
ہم پچھلے دس پندرہ سالوں کی فلمیں یا
کتابیں دیکھیں تو اُس میں اُنہوں
نے سائنس فکشن کی کیا کیا چیزیں
نہیں بتائیں جیسا کہ لوگ اُڑ سکتے
ہیں، اشیاء کو دماغ سے ہلا سکتے ہیں،
پلک جھپک کے ایک جگہ سے دوسری

جگہ پہنچ سکتے ہیں، تو اگر ہم زمانہ حوت
سے اِس کا اشارہ لیں تو اس کا
مطلب ہے کہ زمانہ دِلو میں یہ بالکل
ممکن ہے۔"

شہریار ملک (محقق)

مایان اور آئی چنگ کیلنڈر (Mayan & i ching calendar) کے بعد ناسٹراڈیمس کی پیشین گوئیاں، ماہرینِ فلکیات کے اندازے اور ویب باٹ پراجیکٹ کی پراسرار خاموشی، یہ سب یہ باور کروانے پر تُلے ہوئے ہیں کہ زمین پر وہ وقت آنے والا ہے جب نہ زمین رہے گی اور نہ ہی وقت۔ لیکن یہ قیامت کب آئے گی، تمام تر اندازوں کے باوجود پورے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

قیامت کے بارے میں تو صدیوں سے پیشین گوئیاں کی جا رہی ہیں۔ لیکن آخر کب تک یہ پیشین گوئیاں سچ ثابت نہیں ہوں گی۔ اچانک ایک دِن ایسا آ جائے گا کہ اِس کے بعد پھر کوئی دِن نہیں آئے گا۔ قیامت کا کیا ہے! آج بھی آ سکتی ہے، کل بھی، پرسوں بھی اور برسوں بعد بھی!!...... جب ایک دِن زندگی کا یہ تماشائے رنگ و بُو ختم ہونا ہی ہے تو پھر آج یا کل کا کیا سوال!!......

اگر سب کچھ حاصل کرنے کی دوڑ میں بھاگتا ہوا اِنسان ایک لمحے کو یہ سوچ لے تو کانپ کر رہ جائے۔ تیزی سے گزرتا ہوا وقت شاید اسے توبہ مانگنے

کی بھی مہلت نہ دے۔ جس دِن سورج مغرب سے طلوع ہوا اُس دن تو توبہ کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔

اس سے پہلے کہ امید کے سب دروازے بند ہو جائیں اِنسان اپنی روش درست کر کے وہ سیدھا راستہ اختیار کر لے جو اُسے ازلی مقصد کی ابدی منزل کی طرف لے جاتا ہے۔

خداوند کریم نے وقت کی تقسیم تمام اِنسانوں میں مساوی رکھی ہے جو ہر نئے روز اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو 24 گھنٹے عطا کرتا ہے۔ اِس سے پہلے کہ وقت کی یہ کرنسی ہمیں ملنا بند ہو جائے ہمیں چاہئے کہ ہم اِن 24 گھنٹوں کو پوری ایمانداری اور ہوشیاری سے استعمال کریں، کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ آنے والے وقت میں دُنیا ہو یا نہ ہو۔ آنے والی دُنیا میں وقت ہو یا نہ ہو۔!!

میزبان: محسن احمد
تحریر: عمران شمشاد

bhaid@expressnews.tv

بلیک باکس ڈاکومنٹری

آج نیوز چینل کے پروگرام "Black Box Documentaries"
میں دِکھائی گئی 21 دسمبر 2012ء کے متعلق ایک معلوماتی ڈاکومنٹری

آپ شاید ابھی چند سال پہلے امریکہ میں Anthrax نامی جراثیم کا قصہ نہیں بھولے ہوں گے۔ امریکہ اور یورپ میں رہنے والے اکثر لوگ ناسٹراڈیمس کی پیشین گوئیوں کے دیوانے ہیں۔ اُس نے اپنی رُباعیات سولھویں صدی کی فرانسیسی زبان میں لکھی تھیں۔ آج فرانسیسیوں کی اکثریت اُس فرانسیسی زبان سے ناواقف ہے۔ ناسٹراڈیمس کی مبہم انداز میں لکھی گئی رُباعیات کی شرح ہر کوئی اپنے خیال، تصور اور مقاصد کے تحت کرتا ہے اور اُس کی اکثر پیشین گوئیوں کو اُن میں بیان کئے ہوئے واقعات کے بعد ہی منظرِ عام پر لایا جاتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اپنے طے شدہ مقاصد کے پیشِ نظر پہلے سے مشہور کر دیا جاتا ہے۔

ناسٹراڈیمس دراصل ایک طبیب تھا۔ اُس کے اجداد مسجدِ اقصیٰ کی لائبریری کے لائبریرین تھے جن کا ذِکر اُس نے اپنی رُباعیات کے مقدمے میں کیا ہے۔ مغربی زبانوں کی شاعری میں رُباعیات کی صنف نہیں پائی جاتی۔ برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ایک ریکارڈ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مسجد اقصیٰ کی لائبریری میں سولھویں صدی عیسوی کے زمانے میں عمر خیام کی

رُباعیات اور شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے نسخے بھی موجود تھے۔ اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ ناسٹراڈیمس کو اپنے اجداد سے یہ اسلامی ورثہ ملا ہو اور اُس کی پیشین گوئیوں کا سب سے بڑا سرچشمہ بنا ہو۔ اس سلسلے میں ایک اور بات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربِ قیامت کی تمام علامات کو ایک ایک صدی کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ ناسٹراڈیمس نے بھی اپنی 941 رُباعیات کو 100 اور 42 صدیوں کی صورت میں مرتب کیا ہے۔

مایا کیلنڈر کے مطابق 21 دسمبر 2012ء کے دِن قیامت آنے کی پیش گوئی کا ہنگامہ بھی بنیادی طور پر ناسٹراڈیمس کی پیش گوئی کا شاخسانہ ہے۔

10 جولائی 2009ء کو History Channel نے 2 ڈاکومنٹریز "Nostradamus 2012" کے نام سے پیش کیں۔ یہ دونوں ڈاکومنٹریز دراصل End of Time کے ایک طویل عرصے کی آخری دو کڑیاں تھیں۔ یوں تو ناسٹراڈیمس کی پیشین گوئیاں پہلی بار 1555ء میں شائع ہوئی تھیں مگر مغربی دُنیا میں تہلکہ مچا دینے کی حد تک شہرت اُسے اُس وقت ملی جب 1973ء میں اریکا کیتھام (Erika Cheetham) کی کتاب "The Profecias of Nostradamus" منظرِ عام پر آئی اور 1981ء میں "The Man Who Saw Tomorrow" نامی فلم ریلیز ہوئی۔

21 دِسمبر 2012ء کے دِن قیامت آئے گی؟...... یا...... نہیں؟ اِس بات کا ذِکر تو ہم بعد میں کریں گے ہاں البتہ ہم آپ کو یہ یاد دِلانا ضرور چاہتے

ہیں کہ ابھی چند سال پہلے ہی 5 مئی 2000ء کا دِن بھی قیامت کیلئے متعین کیا گیا تھا۔ اُس روز 3 ستاروں کی ایک نہایت بے ڈھنگی سی ہم آہنگی ہونے کا امکان تھا۔اور 1999ء میں دُنیا بھر میں Y2K کی سنسنی خیزی اور ہنگامہ آرائی تو آپ کو آج بھی یاد ہوگی۔اوراس کے ساتھ یہ بھی یاد ہوگا کہ ہُوا کچھ بھی نہیں تھا!!!......آیئے ذرا تھوڑی دیر کے لئے سوچتے ہیں کہ آخر یہ 21 دسمبر 2012ء کا دِن ہی روزِ قیامت کیوں ٹھہرا؟؟؟

بنیادی طور پر مایا لوگوں کا پتھر کی سل پر نقش کیا ہوا ایک Long Count کیلنڈر ہے جس پر غیر رسمی انداز میں کیلنڈر کی آخری تاریخ بھی دی ہوئی ہے۔کیلنڈر میں آغاز کی تاریخ تو یقیناً موجود ہوتی ہے جو حقیقت میں اُس کیلنڈر کی اصل بنیاد ہوتی ہے مگر کسی کیلنڈر میں آخری تاریخ کا ہونا بہر حال ایک عجیب و غریب بات ہے اور اِسی آخری تاریخ کا ہونا دراصل اس سارے افسانے کا مرکزی کردار بن گئی ہے۔ مایا کیلنڈر میں اِس آخری تاریخ کے ہونے کا اصل مفہوم کیا ہے، یہ تو کوئی نہیں جانتا!!......مگراس سے قیامت آنے کی جو قیامت برپا ہوئی ہے وہ واقعی بہت قیامت خیز ہے۔ کیونکہ مایا تہذیب کے مذہبی عقائد میں کہیں بھی اس طرح قیامت آنے کا ذِکر نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے آپ کو پہلے بھی بتایا کہ مایا تہذیب سے وابستہ لوگ علم فلکیات اور ریاضی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ سورج اور چاند گرہن کی پیش گوئیوں کے علاوہ وہ اور بہت سے اجرامِ فلکی (کی گردشوں اور مقامات کے بارے میں) بھی باخبر رہتے تھے۔ اس سلسلے میں اُن کے حساب کتاب کے مطابق ہر

26,000 سال بعد زمین اور سورج اپنی کہکشاں کے مرکز کے ساتھ ایک حدِ مستقیم میں ہم آہنگ ہوتے ہیں اور فلکیاتی سطح پر ہونے والے اس واقعہ کے ہماری زمین پر انتہائی منفی اثرات پڑتے ہیں اور بڑے پیمانے پر تباہی ہوتی ہے۔

انسانی تاریخ میں 26,000 سال پہلے اس نوعیت کے کسی واقعہ کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ مایا کیلنڈر کے مطابق 21 دسمبر 2012ء کی تاریخ 26,000 سال کے موجودہ فلکیاتی دَور کا آخری دِن ہے۔ اور اُس روز ایک بار پھر زمین اور سورج اپنی کہکشاؤں کے مرکز کے ساتھ ایک حدِ مستقیم میں ہم آہنگ ہوں گے۔ جس کے نتیجے میں اگر قیامت نہیں تو قیامت خیز تباہی اور بربادی ہونے کے امکانات ضرور ہیں۔

اس سلسلے میں ایک نہایت دِلچسپ بات ہے کہ نیشنل جیوگرافک سوسائٹی کے مطابق ماہرینِ آثارِ قدیمہ ہماری زمین میں گزشتہ 60 کروڑ سال تک کے عرصے کے دوران ہونے والی تبدیلیوں کا سراغ لگا چکے ہیں مگر انہیں اَب تک طوفانِ نوح کے عالمگیر سیلاب کے علاوہ کسی بڑی تباہی اور بربادی کے آثار نہیں ملے۔ پھر اگر مایا تہذیب کے Long Count کیلنڈر کے مطابق 26,000 سال پہلے ہماری زمین پر کوئی قیامت آئی تھی تو اُس کے آثار کہاں غائب ہوگئے؟؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ مایا تہذیب کے ماہرین اور فلکیاتی سائنسدانوں کی اکثریت بھی عقلی اور سائنسی بنیادوں پر اس

پیشین گوئی کو مسترد کر چکی ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی اگر کسی کو قیامت کیلئے 21 دسمبر 2012ء کا انتظار ہے تو وہ بڑے شوق سے اُس دِن کا انتظار کرے!!

قیامت اصل میں کب آئے گی؟...... اِس کا علم صرف اُس ایک اللہ رَبُّ العزت کو ہے جس نے یہ دُنیا بنائی ہے۔ وہ تو اِسے واقعہ کہتا ہے...... ایک ساعت...... کل...... آج...... ابھی...... اسی وقت...... یہ پروگرام دیکھتے ہوئے ہی!!!

"یہ لوگ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ کہئے!...... اس کا علم میرے رَبّ ہی کے پاس ہے۔ اُسے اپنے وقت پر وہی ظاہر کرے گا۔ آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت وقت ہو گا۔ وہ تم پر اچانک آجائے گا۔"

(سورۃ الاعراف، آیت 187)

ریسرچ اینڈ سکرپٹ:
حسن جعفری
آج ٹی وی

21 دسمبر 2012ء

ماہرین کیا کہتے ہیں؟

’’2012ء میں دُنیا کی تباہی ناممکن نہیں‘‘

ناسا(NASA)

امریکی خلائی تحقیقاتی ادارے ’’ناسا‘‘ نے حال ہی میں ویب سائٹ (http://science.nasa.gov) پر ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

’’2012ء میں دُنیا کی تباہی کے امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

رپورٹ کے مطابق سورج کی مقناطیسیت میں نئی تبدیلیاں وقوع پذیر ہورہی ہیں جن کے نتیجے میں نظام شمسی میں بھی نمایاں تبدیلیاں ہوسکتی ہیں اور زمین کی سیٹلائٹ کمیونیکیشنز، ایئر ٹریفک اور پاور گرڈ کے نظام تباہ ہوسکتے ہیں۔ اس رپورٹ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ سورج کے مشرقی حصے پر 11 دسمبر 2007ء کو ایک نیا مقناطیسی قطب نمودار ہوا تھا جو ایک نئے ’’شمسی چکر (Solar Cycle)‘‘ کے آغاز کی علامت ہوسکتی ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق بظاہر

ایسا لگتا ہے کہ ''23واں شمسی چکر'' ختم ہو چکا ہے اور اب ایک نئے چکر کا آغاز ہونے والا ہے۔ پیش گوئیاں کرنے والے بہت سے افراد کو یقین ہے کہ ''24واں شمسی چکر'' زیادہ بڑا اور زیادہ طاقتور ہوگا جس کی شدت 2011ء یا 2012ء میں اپنے عروج پر ہوگی۔ اسی شمسی چکر کی شدت کے نتیجے میں پورے نظامِ شمسی میں بڑی تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں اور یہی وہ مدت بھی بنتی ہے جس کے بارے میں ''مایا کیلنڈر'' میں کہا گیا ہے کہ یہ وقت (یا دُنیا) کا خاتمہ ہوگا۔ مذکورہ رپورٹ میں ناسا کے مارشل اسپیس فلائٹ سینٹر سے وابستہ ماہر شمسی طبیعات ڈیوڈ ہیتھوے کا کہنا ہے کہ سورج پر ایک نئے مقناطیسی نظام کی پیدائش یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایک نیا شمسی چکر شروع ہونے والا ہے جو 24واں چکر ہوگا۔ گزشتہ ایک سال سے سورج کی سرگرمی میں نمایاں کمی اور ٹھہراؤ دیکھا جا رہا ہے جو اس بات کی علامات ہے کہ 23واں شمسی چکر ختم ہو چکا ہے۔ اس کا ثبوت 2000ء اور 2003ء کے دوران سورج پر مسلسل پیدا ہونے والے خوفناک طوفان تھے جو اَب تھم چکے ہیں۔ ڈیوڈ ہیتھوے کے مطابق اب بڑا سوال یہ ہے کہ نیا شمسی چکر کب شروع ہوگا؟ ہو سکتا ہے کہ یہ بس اب شروع ہونے ہی والا

ہو......

''تین برس بعد دُنیا کی تباہی کا نظریہ باطل ہے''

ڈاکٹر ڈیوڈ موریسن (خلائی سائنسدان)

امریکی خلائی تحقیقی ادارے ''ناسا'' کے ایک سرکردہ سائنسدان نے 2012ء میں دُنیا کے خاتمے کے تصور کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نظریہ ایک فرضی داستان سے زیادہ کچھ نہیں، جسے انٹرنیٹ پر گردش کرنے والی افواہوں سے مہمیز مل رہی ہے۔ خلائی سائنسدان ڈاکٹر ڈیوڈ موریسن کا یہ بھی کہنا ہے کہ نبیرو (Nibiru) نامی ایسا کوئی سیارہ وجود نہیں رکھتا جس کی بابت بائبل میں یہ پیش گوئی کی گئی ہو کہ دُنیا کے خاتمے سے قبل وہ نمودار ہوگا۔ واضح رہے کہ قدیم ''میسوپوٹم'' تہذیب ''سُمر'' کے بارے میں کتاب لکھنے والے ایک سائنس فکشن مصنف نے مذکورہ کتاب میں یہ پیش گوئی کی ہے کہ دسمبر 2012ء میں ''نبیرو'' سیارہ زمین سے ٹکرائے گا۔ مصنف کے مطابق یہ درحقیقت ''یوم قیامت'' ہوگا۔ تاہم ڈاکٹر موریسن نے اس پیش گوئی کو ایک من گھڑت اور سازش پر مبنی افواہ قرار دیتے ہوئے اسے سختی سے مسترد کر دیا ہے۔ اس ضمن میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سب سے پہلی اور آخری بات تو یہ ہے کہ ''نبیرو'' نامی کسی بھی تصوراتی سیارے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ ڈاکٹر

موریسن کے بقول یہ دعویٰ کہ ایک ایسا سیارہ کرۂ ارض کے قریب موجود ہے جو دِکھائی نہیں دیتا، ایک خلائی سائنسدان کیلئے محض ایک لطیفے سے زیادہ کچھ اور شے نہیں ہے۔ انہوں نے اس بات پر ایک قہقہہ بلند کیا کہ امریکی حکومت ''نیبروُ'' سیارے کی موجودگی سے واقف ہے مگر وہ اس حقیقت کو عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر موریسن کا کہنا ہے کہ ایسا ممکن ہی نہیں، حکومت اگر چاہتی بھی تو ''نیبروُ'' کو بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکتی تھی کیونکہ دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے سائنسدان، خلائی محققین اور پروفیشنلز اسے دریافت کر لیتے اور اس دریافت کو کسی بھی طرح راز میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ موریسن نے ''مایا کیلنڈرز'' (جس کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کے خاتمے کے ساتھ ہی دُنیا کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) کے 2012ء میں اختتام پر تشویش میں مبتلا ہونے والے افراد کو تسلی دیتے ہوئے کہا ہے کہ انہیں پریشان ہونے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قدیم کیلنڈر تاریخ دانوں کیلئے بلاشبہ دلچسپی کے حامل ہیں، مگر یہ کیلنڈر وقت کے ریکارڈ، ترتیب اور اندازوں کے حوالے سے اس صلاحیت اور ٹیکنالوجی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو آج ہمارے پاس موجود ہے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ کہتے ہیں کہ بہرحال کیلنڈرز چاہے قدیم ہوں یا جدید، یہ ہمارے سیارے (زمین) کے مستقبل کے بارے میں بھی پیش گوئی نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ ہمیں مستقبل میں کسی خاص تاریخ (جیسے کہ 2102ء) کو وقوع پذیر ہونے والے واقعے سے پیشگی طور پر خبردار کر سکتے ہیں۔

اگرچہ بہت سوں کو یقین ہے کہ سولہویں صدی عیسویں کے مشہور نجومی نوسٹراڈیمس کی پیش گوئیوں کے مطابق 2012ء ہی وہ سال ہے کہ جب دُنیا کا خاتمہ ہو گا، لیکن اَب تک ایک بھی ایسی شہادت نہیں مل سکی ہے کہ آیا نوسٹراڈیمس نے اپنی پوری زندگی میں کوئی درُست پیش گوئی کی بھی تھی یا نہیں۔ ڈاکٹر موریسن بعض حلقوں میں پائے جانے والے اس اعتقاد کو بھی باطل قرار دیتے ہیں کہ ہماری کہکشاؤں میں موجود بعض سیاروں کی صف بندی و ترتیب میں تبدیلی سے زمین کی کشش ثقل درہم برہم ہو جائے گی یا کرۂ ارض کی گردش اُلٹ جائے گی (یعنی زمین اُلٹی سمت میں گھومنے لگے گی)۔ ان کا کہنا ہے کہ ''زمین کی گردش میں تبدیلی یا مراجعت قطعی ناممکن ہے، ایسا کبھی بھی نہیں ہوا ہے اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوگا''۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگرچہ زمینی کشش ثقل کے مرکز میں ہر چار لاکھ سال کے بعد تبدیلی واقع ہوتی ہے، تاہم سائنسدانوں کو یقین ہے کہ یہ تبدیلی اگلے کئی ہزار سال تک رونما نہیں ہوگی اور نہ ہی ایسی کوئی شہادت موجود ہے کہ اگر ایسا ہوا تو اس سے کرۂ ارض اور اس پر موجود حیات کو کسی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

ایلن بوئل:

ایلن بوئل سائنس کے ایڈیٹر ہیں اور طبعی علوم، علم البشر، تکنیکی اختراعات اور خلائی سائنس پر عبور رکھتے ہیں۔ وہ AAAS سائنس جرنلزم ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ انہیں NASW سائنس ان سوسائٹی ایوارڈ اور متعدد دیگر اعزازات سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ انہوں نے "سائنسی مصنفین کی عملی کتاب" تحریر کرنے میں بھی معاونت کی۔ وہ سائنسی تحریروں کی ترقی کی انجمن کے بھی رُکن ہیں۔ یکم اکتوبر 2009 کو بوئل نے اپنے ویب سائٹ کالم کے لیے 2012 یوم قیامت کے منظرنامے کا اِن فیصلہ کن الفاظ میں ذکر کیا:

"راڈار کی سکرین پر کوئی ایسی چیز نہیں جو 2012ء میں کسی متوقع خطرے کی نشاندہی کرتی ہو۔ یہ سیارچوں کے باہمی ٹکراؤ، قطبین کی تقلیب (پلٹنے)، ستاروں کے اچانک پھٹنے اور گیما شعاعوں کے اچانک اخراج سے متعلق ہے۔"

مائیک براؤن:

مائیک براؤن کیلیفورنیا کے تکنیکی ادارے میں فلکیات کے پروفیسر ہیں۔ 2012ء کے حامیوں کے برعکس وہ مدلل انداز میں بات کرتے ہیں۔ اُنہوں نے نوع انسانی کے تسلسل کے ادارے کی ویب سائٹ پر اور وائرل مارکیٹنگ کی فلم 2012ء کی تشہیر کے خلاف اپنے خیالات کا اِن الفاظ میں اظہار کیا ہے:

''ایسا محسوس ہوتا ہے یہ حقیقی سائنسدانوں کی ویب سائٹ ہے جو دُنیا کے خاتمے کے بارے میں واقعی فکرمند ہیں لیکن آخر میں یہ آپ کو وہ فلم دیکھنے کے لیے جانے پر مائل کرتی ہے جو یقیناً بہت گھٹیا ہے۔''

ڈان یومانس:

ڈان یومانسJPL میں ایک کہنہ مشق تحقیقی سائنسدان ہے۔ وہ ایک ادارے کا سربراہ ہے جسے ناسا کی طرف سے ان فلکی اجسام کی نگرانی کی ذمہ داری دی گئی ہے جو اپنے مخصوص مدار کے باعث زمین کے قریب سے گزرتے ہیں۔ وہ اور ان کے ادارے کے دیگر ارکان زمین کے قریبی سیارچوں، دم دار ستاروں اور دیگر خلائی چٹانوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اس شخص کو اپنے شعبے پر کامل دسترس حاصل ہے۔ وہ 2012ء کے متوقع فلکی اثرات پر اظہارِ خیال کے لیے بہت موزوں شخص ہے۔ JPL Blog پہ اس نے اپنی رائے پیش کی ہے جس کا عنوان ہے''2012! حقیقت کا سائنسی کھوج''۔ اپنے مقالے کے آخر میں وہ لکھتا ہے:

''2012ء میں تباہی کے دعاوی یا ڈرامائی تبدیلیوں کے حوالے سے ثبوت فراہم کرنے کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو ایسے بیانات دیتے ہیں۔ سائنس کہاں

ہے؟ ثبوت کہاں ہے؟ کچھ بھی میسر نہیں ہے! یہ سب پرجوش، متواتر اور نفع بخش دعوے ہیں۔ ایسے بیانات، خواہ وہ کتابوں، فلموں، دستاویزی فلموں میں دیئے جائیں یا انٹرنیٹ پہ، حقیقت سے کوسوں دُور ہیں۔ دسمبر 2012ء میں متوقع طور پر رونما ہونے واقعات کے دعوے کی تائید کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت میسر نہیں ہے۔"

بحوالہ: www.2012hoax.org

ترجمہ: علی عمران جلالپوری

باب١٦

21دسمبر 2012ء
کے موضوع پر اب تک لکھی گئی انگریزی کتب
اور ان کا مختصر تعارف

Schizandra and the Gates of Mu
By Laura Bruno

An ordinary Sedona day turns cosmic when Schizandra faints. What prophets have whispered for millenia has finally come to pass. Schizandra Ginger Parker has crossed the veil, and she now holds the key to human evolution. But her visit to the underworld marks only half the journey. The galaxy itself depends on her awakening. Will Schizandra conquer her own mythic demons? Will strangers unite to save her so that she can save the world? Humanity has come this far before -- many times -- but fear has always stopped the transformation. Can Schizandra lead Earth back to Paradise? Readers will laugh, cry and shiver their way through Book One of the Schizandra series.

The Ezekiel Code
By Gary Val Tenuta

2012 is coming... The clock is ticking...
The code must be deciphered...
And only one man can save the planet...
If he can just figure out how...
Before it's too late.

☆......☆......☆

2012: Biography of a Time Traveler is the authorized biography of Jose Arguelles

By Stephanie South

2012: Biography of a Time Traveler is the authorized biography of Jose Arguelles, the man who first introduced the date December 21, 2012 into mass consciousness with The Mayan Factor. The initiator of the Harmonic Convergence global peace meditation of 1987, Arguelles is also the founder of the annual Whole Earth Festival (1970) in California, and one of the originators of the Earth Day concept.

Following a life-changing vision at age 14, atop the Pyramid of the Sun in Teotihuacan, Mexico, Arguelles began a lifelong journey to discover the underlying mathematics and prophecies associated with the Mayan calendar.

☆......☆......☆

2012: Seeking Closure

By Gregory Bernard Banks

It's December 21, 2012. The President of the United States has just gone on the air to inform the world that in three hours time, the world will end, and there is nothing he can do about it. And then he and all the world leaders walk away and leave the people to fend for themselves. What would you do? Based on a story by Tom Townsend, and soon to become a motion picture from Inner Glow Pictures, 2012: Seeking Closure is the story of a world gone mad in a time of chaos, of disaster and destruction and people desperate to seek closure while the society goes mad.

☆......☆......☆

Journey to the Fifth World (2012):

Coming Full Circle in Healing and Transformation

By Michele Ama Wehali

We are in the midst of great upheaval as we are shifting from one Age to another as we near the year 2012. Find out how these challenging times are part of the evolutionary impetus for change that is being brought on by this shift, as prophesied by the Maya and many other cultures thousands of years ago. Humanity is being required to find answers and solutions for the great problems facing us all, from a much more enlightened part of our consciousness. Find out how in the `Fourth' and present `World' we have been living in a dualistic and out of balance reality, created from a place of separation and ego based control within and without, and how it is now time to make a leap in consciousness, so that

we come from a place of greater wholeness and spiritual awareness. Take a "Journey to the Fifth World" and "Come Full Circle in Healing and Transformation" as you are guided through a `powerful initiation' into a possibility of a better World.

This literary, shamanic journey is written in a manner that will not only assist you in having a deeper understanding of what is being asked at this time for your personal evolution, but will also navigate you through the changes. New Age, Shamanism, Psychology and Indigenous Wisdom, are brought together in a creative synthesis that inspires deep understanding, self-reflection and spiritual growth as you are given a more expansive perspective about the state of humanity from these various viewpoints.

Learn how the return of the Divine Feminine is of vital importance in assisting us in completing the lessons of the past, to be able to `come full circle' into the `Fifth World', a much more spiritually aligned reality; as well as balancing all parts of life with the return of the feminine perspective. Included in this is the return of the importance of the Thirteen Indigenous Grandmothers, aligned with the availability of the Thirteen Heavens (Mayan cosmology), energies of higher consciousness. If we focus on healing now, the growth pains of this paradigm shift will not be as difficult. As we evolve we can make the positive changes that are so very needed in our personal, community, national and global realities. Help transform humanity by your personal growth!

☆......☆......☆

In the Courts of the Sun

By Brian D'Amato

A mind-bending, time-bending, zeitgeist-defining novel about the days leading up to December 21, 2012—the day the Maya predicted the world would end

December 21, 2012. The day time stops. Jed DeLanda, a descendant of the Maya living in the year 2012, is a math prodigy who spends his time playing Go against his computer and raking in profits from online trading. (His secret weapon? A Mayan divination game—once used for predicting corn-harvest cycles, now proving very useful in predicting corn futures—that his mother taught him.) But Jed's life is thrown into chaos when his former mentor, the game theorist Taro, and a mysterious woman named Marena Park, invite him to give his opinion on a newly discovered Mayan codex.

Marena and Taro are looking for a volunteer to travel

back to 664 AD to learn more about a "sacrifice game" described in the codex. Jed leaps at the chance, and soon scientists are replicating his brain waves and sending them through a wormhole, straight into the mind of a Mayan king...

Only something goes wrong. Instead of becoming a king, Jed arrives inside a ballplayer named Chacal who is seconds away from throwing himself down the temple steps as a human sacrifice. If Jed can live through the next few minutes, he might just save the world.

Bringing to mind Neal Stephenson's Cryptonomicon and Gary Jennings's Aztec, yet entirely unique, In the Courts of the Sun takes you from the distant past to the near future in a brilliant kaleidoscope of ideas.

☆......☆......☆

The Complete Idiot's Guide to 2012

By ND, Dr. Synthia Andrews, Colin Andrews

The final countdown?

On December 21, 2012, the Mayan calendar will complete its thirteenth cycle. According to the Mayan belief system, the world will end. And if you don't believe the Mayans, you can check in with The Bible Code, The Nostradamus Code, or The Orion Prophecy, all of which predict planet-wide doom. Then again, maybe the year 2012 is just a new opportunity. Could 2012 bring us good things instead of bad? This book gives readers a look at what the Mayan prophecy is all about, what it means to them, and much more.

- *Addresses Mayan predictions about global warming and climate change*
- *Includes a glossary of terms and symbols, resources for a changing world, and exercises to assist the reader in their journey*
- *The existence of almost 600,000 websites on 2012 indicates a huge fascination with this subject*

☆......☆......☆

Timewave 2013: The Future Is Now - The Odyssey II

Directed by Sharron Rose

What lies ahead for the human race? Will we reach the destiny that awaits us? In the film 2012 The Odyssey, author Sharron Rose went on a quest to understand the many prophecies around the year 2012. In this sequel to that film, she travels far beyond the world of 2012. During this fascinating expedition into the nature of time itself, Ms. Rose speaks to many of the world s experts on mythology, alchemy, astrology,

anthropology and ancient history; Jose Arguelles, Gregg Braden, Riane Eisler, William Henry, Jean Houston, John Major Jenkins, Rick Levine, Dennis McKenna, Terence McKenna, Daniel Pinchbeck, Geoff Stray, Whitley Strieber, Alberto Villoldo and Jay Weidner. They discuss topics such as the shift of the ages, the galactic alignment, global warming, the pervasive role of the media in our lives, the secret place of refuge, the mystic work of Benjamin Franklin, renewal of the American spirit and the transformation of humanity. Journey with Ms. Rose beyond the Georgia Guidestones, Denver Airport, Cross of Hendaye and Mayan Calendar to the Sacred Valley of Peru where we sit in ceremony with the powerful Shaman healers of the Q ero people and listen to their powerful prophecies for the future of humankind. While firmly based in a rich perspective on our past history, and a new understanding of the nature of the times we live in, Timewave 2013 offers a clear, yet positive vision of what is to come.

☆......☆......☆

2012: A Conspiracy Tale
By Bryan Collier

It is a time of great political unrest. Mitchell Webb, CEO of IDSys, and his friend Simon Rockwell are on the brink of securing a contract from Her Majesty's Government for the design, manufacture and supply of Radio Frequency Identification Devices (RFIDs) for the protection of the British Public against terrorist attack.

☆......☆......☆

2013: The End of Days or a New Beginning: Envisioning the World After the Events of 2012
By Marie D. Jones

The 5,125-yearlong Mayan calendar ends on December 21, 2012, which many claim portends a massive global transformation. Some dread its arrival, believing it will be the beginning of the end. Others await it with delicious anticipation, expecting it to be the catalyst for a quantum leap of consciousness, the dawning of a true New Age.

Others wonder if anything at all will occur--remember Y2K?

2013: The End of Days or a New Beginning? examines all of the popular myths, prophecies, and predictions circulating about 2012, including the Mayan teachings of time acceleration and global awakening on a consciousness level. Furthermore it takes an in-depth look at lesser-known

predictions and prophecies, and at the more scientific and reality-based challenges we will face.

☆......☆......☆

The Return of Planet-X: Wormwood

By Jaysen Q. Rand

The Return of Planet-X is an educational, informational source examining all aspects of this controversial subject including the record of X's Ancient Science of Prophecy, its Phantom Astronomy, Forbidden Archaeology and the Signs Of Its Approach. This book examines the history and prophecy of Earth's many cultures throughout the millennia and their voluminous references to the reality of X's periodic passages. The most current hypothesis used to examine X's next return through the solar system centers around the fact that X's extended orbit (approximately every 3,600 years -- first passing through the solar system then back out again), suggests that its 'destructive cycle' occurs in two phases. The 'first phase' begins with X's initial pass-through in 2009 separated by three years until its 'second phase.' This passage marks X's return leg back into deep space beginning again its 3,600-year-long trek through the heavens. X's last return visit through the solar system most likely coincided with the Hebrew's exodus from Egypt estimated around 1447 BC -- roughly 3,459 years ago. Did God somehow come to Moses' aid by staging a cosmic event that no one today understands? The Mayan Celestial Calendar Codex inexplicably ends 21 December 2012. According to ancient Mayan cosmology, 'time' as we know it on Earth will reach its climax on that date. Written across the scroll of time and space, the author believes Planet-X will first return in 2009 and again in 2012. X's power is real. Its story is forever. Its time is soon.

☆......☆......☆

The Starseed Dialogues: Soul Searching the Universe

By Patricia Cori

The Starseed Dialogues is a clear and concise compilation of questions Patricia Cori has received from readers, which she then turned over to the Speakers of the Sirian High Council for answers. Cori is among many who predict that life on Earth will change dramatically after December 2012, as we ascend into a fourth dimension beyond spacetime.

What will happen to us as we approach the point of ascension? Does ascending in the light body hurt? This book

answers these questions and many others about the direct link between our evolving DNA; the inner world of Agharta; the current earth changes and our shift in consciousness; and the significance of visiting sacred sites such as Stonehenge to receive celestial messages. As always, the Speakers' message rings clear: do not fear what lies ahead, for we are about to experience a glorious transformation of consciousness—and although the prophets speak of doom and destruction, the darkest hours are already upon us. What awaits us is a brilliant new age of truth, light, and beauty.

☆......☆......☆

If They Only Knew

By Darren Daulton

If They Only Knew is about the interesting world of the metaphysical and the author s beliefs and personal experiences with it. Daulton delves into issues of ascension such as dimensions and levels of consciousness, the Mayan Calendar and December 21, 2012, creating one's own reality and a lot more. The book's message is clear- Open your mind to new ideas and know that there is more to our life than only what we can see, feel and touch!

☆......☆......☆

2012 The Odyssey

From Sacred Mysteries Productions

This powerful in-depth film on the 2012 prophecies, the current global crises and awakening is the first of two feature documentaries on the subject, 2012 The Odyssey and it's sequel Timewave 2013. Join author Sharron Rose on an adventure into the future. In this exciting and thought provoking feature documentary she travels across the entire United States speaking to the many experts on this fast approaching prophecy. They help her to reveal the secrets that will unfold before our eyes and will shape our future. Featuring noted experts Jose Arguelles, Gregg Braden, John Major Jenkins, Rick Levine, Geoff Stray, Moira Timms, Alberto Villoldo, Jay Weidner, the Incan Elders and more, this film shows us that the coming world is ours to reshape and to remake in any way that we deem possible. Sharron Rose also travels to the Georgia Guidestones, Washington D.C., the Denver Airport and many other places to discover that there are numerous groups and people who understand that this present age is ending and a new world is now just beginning. Discover the secrets of the Mayans, the Incans, the Alchemists, the Christians, the Masons

and others of our ancient ancestors concerning the end of time and the promise of our destiny as human beings.

☆......☆......☆

12-21-12 End of the World (As We Know It): 4 Year Planner

By SL Benoit

An informative overview of theories and facts related to December 21, 2012. Personal Planner and Goal sheets to identify and accomplish personal goals before 12-21-12, just in case. A mixture of serious and fun!

☆......☆......☆

Dreaming the Maya Fifth Sun

By Leonide Martin

Suppose dreams were portals to different realities? ER nurse Jana Sinclair's recurring dream compels her journey to jungle-shrouded Maya ruins where she discovers links with ancient priestess Yalucha, who was mandated to hide her people's esoteric wisdom from the Conquistadors. Jana's reluctant husband is swept into strange experiences and warns against further involvement. As the Maya calendar approaches its ending in 2012, Jana answers the call across centuries to re-enact a mystical ritual for successful transit into the new era, contending with dark shamanic forces bent on preventing her mission and her husband's devastating ultimatum—and activates forces for healing their relationship.

☆......☆......☆

Mayan Days of Sound

Craig Howell

When I want to create a sacred sanctuary atmosphere in my home or at my yoga center, I play the Mayan Days of Sound cd and just let the music's vibration transform the energy. Whether working or relaxing, everything shifts to a tranquil, healing environment. Thank you for sharing your gift.
(Flossie, owner of Yoga Center of Medford, NJ)

www.december212012.com/products/books.shtml :حوالہ

باب ۱۷

کتاب کے ساتھ دستیاب CD کا مختصر تعارف

An Introduction to the Book CD

قارئینِ کرام! کسی بھی دستاویزی فلم (Documentary) کا بنیادی مقصد عوام الناس کو ایسے حقائق سے آگاہ کرنا ہوتا ہے جن پر تحقیقات محض قلم نگاری سے آگے بڑھ چکی ہوں۔ عصر حاضر میں الیکٹرانک میڈیا کی آمد کے بعد صحافتی تحقیق میں ایک عظیم انقلاب آ چکا ہے۔ دستاویزی فلمیں بھی بنیادی طور پر صحافتی تحقیق کے زمرے میں ہی آتی ہیں اور ان کے بنائے جانے کے پیچھے کارفرما مقصد بھی ناظرین کو اخباری فیچرز کی طرز پر کسی موضوع پہ ہونے والی تحقیق کو پیش کرنا ہے۔ تاہم اخباری فیچرز اور دستاویزی فلموں میں ایک بنیادی فرق موجود ہے، جو دستاویزی فلموں کے زیادہ مؤثر ہونے کی ایک دلیل بھی ہے۔ یہ فرق لفظی اور تصویری تحقیق کا فرق ہے۔ اخبار اگرچہ Still تصاویر کو اپنے صفحات میں جگہ دیتا ہے، مگر یہ تصویریں ویڈیو کی جیتی جاگتی تصاویر کے

مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ویڈیو تصاویر انسانی ذہن پر حقیقی زندگی جیسے اثرات مرتب کرتی ہیں، جو نفسیاتی اعتبار سے اِنسانی سوچ پر نہ صرف زیادہ گہرائی سے اثر انداز ہوتی ہیں، بلکہ ایسی تصاویر کا یادداشت میں رہنے کا وقت بھی دوسری تصاویر کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ ہم یہاں کتاب کے ساتھ پیش کردہ دستاویزی فلم "Doomsday 2012; The End of Days" کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں، چونکہ دستاویزی فلموں کی غرض و غایت پر پہلے ہی بات کی جا چکی ہے، اس لئے موزوں رہے گا کہ اس دستاویزی فلم میں پیش کئے گئے مواد کا خلاصہ اُردو زبان میں آپ کی دلچسپی کے لئے تحریر کر دیا جائے۔

معروف روایت کے برعکس، ہم نے اس فلم کے اندر اُردو ترجمہ کی Caption دیئے جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیونکہ ''21 December 2012: کائنات قیامت کی دہلیز پر'' پہلے ہی اُن تمام واقعات کا اُردو زبان میں احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کتاب کا گہری دِلچسپی سے کیا گیا مطالعہ قارئین کو دستاویزی فلم میں بیان کردہ حقائق کو سمجھنے میں بڑی حد تک آسانی پیدا کر دے گا۔ اس دستاویزی فلم میں شامل موضوعات کا مختصر خاکہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

فلم قدیم مایا تہذیب کی کہانی سے تحقیق کا آغاز کرتے ہوئے سومیری تہذیب، قدیم یہودی و عیسائی فکر، زمین کی کہکشانی قطار بندی، ویب باٹ پروگرام اور اس کے کرشمے، پلینٹ ایکس، قدرتی آفات، عالمی جنگوں، خوفناک اُخروی تباہیوں اور دجال (Antichrist) کا ترتیب وار مفصل ذکر کرتی ہے۔

اس کے علاوہ اس ڈاکومنٹری کی ایک خاص بات ''قدیم کہانت اور کاہنوں'' پر کی گئی دقیق تحقیق ہے، جسے انتہائی منفرد اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ تحقیق تاریخی اوراق سے آگے بڑھ کر سائنس، آثارِ قدیمہ اور ممکنات و ناممکنات کی بنیاد پر قدیم کاہنوں کی پیش گوئیوں کو زیرِ بحث لاتی ہے۔ مزید برآں، ان پیش گوئیوں کی حقیقت، نوعیت اور پورا ہوچکنے کو تاریخ عالم کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ پیش گوئیاں کب اور کیسے پوری ہوئیں، جبکہ ابھی کون کون سی پیش گوئیاں پوری ہونا باقی ہیں۔

اِس سی ڈی میں جن جدید و قدیم کاہنوں کی پیش گوئیاں شامل کی گئی ہیں اُن میں کاہنہ ڈیلفی، کاہنہ روم سبیلین، کاہنِ انگلستان مرلن، ای چینگ چینی کاہن، کاہنہ مدر شپٹن، ناسٹراڈیمس اور امریکی انڈین کاہن شامل ہیں۔ اسی طرح ویب باٹ کی پیش گوئیوں اور اس کی ماضی کی کارکردگی کا جائزہ بھی تنقیدی نگاہ سے لیا گیا ہے۔ ہر مرحلے پر ماہرین، سائنسدانوں اور تحقیق کاروں کے خیالات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی تحقیقات کے باعث عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ بائبل مقدس اور یوحنا عارف کی کتابِ مکاشفہ پر بھی خاص طور پر تحقیقی نگاہ ڈالی گئی ہے اور مختلف آراء کی روشنی میں کئی گنجلک گتھیاں سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ آپ اس کتاب کے ساتھ ساتھ دستاویزی فلم سے بھی خوب لطف اندوز ہوں گے اور ایسے حقائق پڑھنے کے علاوہ دیکھ بھی سکیں گے جو آپ کی سوچ میں بنیادی تبدیلی کا باعث بن سکتے ہیں۔ آخر میں پھر وہی درخواست کہ قیامت کی

دہلیز پر بیٹھے ہوئے ہم اگر اپنے گناہوں، غلطیوں اور زیادتیوں کی معافی اللہ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق سے مانگ لیں تو شاید دائمی زندگی میں آسانیاں پیدا کر لیں۔

ایک بہترین تھیوری آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہے۔ اللہ ربُّ العزت ہمیں بہترین پریکٹیکل کی توفیق دے۔

ماخذومراجع

کتب، رسائل، انٹرنیٹ، ٹی وی چینلز

قرآن مجید:

احادیث پاک:

☆ صحیح بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بخاریؒ

(۱۹۴تا۲۵۶ھ بطابق 810-870ء)

☆ صحیح المسلم، مسلم بن حجاج ابوالحسن القشیری نیشاپوریؒ

(۲۰۶تا۲۶۱ھ بطابق -875821ء)

☆ جامع ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ

(۲۱۰تا۲۷۹ھ بطابق 825-892ء)

☆ سنن ابوداؤد شریف، ابوداؤد سلیمان اشعث بجستانیؒ

(۲۰۲تا۲۷۵ھ بطابق -889817ء)

☆ سنن ابنِ ماجہ شرف، ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینیؒ

(۲۰۹تا۲۷۳ھ بطابق -887824ء)

☆ المسند احمد بن حنبل، ابوعبداللہ بن محمد بن احمد بن حنبلؒ

(۱۶۴تا۲۴۱ھ بطابق 780-855ء)

☆ الموطا، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامرؒ

(۹۳تا۱۷۹ھ بطابق 712-795ء)

☆ الدر المنثور فی التفسیر الماثور، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطیؒ
(۸۴۹ تا ۹۱۱ھ بمطابق 1445-1505ء)

☆ المستدرک علی صحیحین، محمد عبد اللہ حاکم نیشاپوری
(۳۲۱ تا ۴۰۵ھ بمطابق 933-1014ء)

☆ کنز العمال، علاء الدین متقی الہندی
(م ۹۷۵ھ)

☆ مجمع الزوائد، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی
(۷۳۵ تا ۸۰۷ھ بمطابق 1335-1405ء)

☆ السنن الکبریٰ، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ
(۳۸۴ تا ۴۵۸ھ بمطابق 994-1066ء)

☆ حجۃ اللہ العالمین، یوسف بن اسماعیل النبھانی
(م ۱۳۵۰ھ)

اُردو کتب:

☆ ہارون یحییٰ، اینڈ آف ٹائم (End of Time) (مترجم: انجم سلطان شہباز)
جہلم (بک کارنر شورُوم)، 2009ء

☆ کامران اعظم سوہدروی، سیرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام
جہلم (بک کارنر شورُوم)، 2010ء

☆ مفتی محمد رفیع عثمانی، علاماتِ قیام اور نزول مسیح علیہ السلام
کراچی (مکتبہ دار العلوم)، 2008ء

☆ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، کائنات اور اسکا انجام: قرآن اور سائنس کی روشنی میں
لاہور (فیروز سنز لمیٹڈ)، 2004ء

☆ مولانا محمد عبد الرحمان مظاہری، قیامت کا دن قرآن وسنت کی روشنی میں
لاہور (ادارہ اسلامیات)، 2003ء

☆ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، جہنم کے خطرات مع قیامت کب آئیگی؟
کراچی (مکتبۃ المدینہ)، 2000ء
☆ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی، علاماتِ قیامت
دہلی (دہلی پرنٹنگ ورکس)، 1921ء
☆ ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام اور جدید سائنس
لاہور، (منہاج القرآن پبلی کیشنز)، 2001ء
☆ مولانا عاشق الٰہی بلند شہری، علاماتِ قیامت
لاہور، (الوقار پبلی کیشنز)، 2009ء
☆ وِل ڈیورنٹ، عرب، (مترجم: یاسر جواد)، لاہور (تخلیقات)، 2005ء
☆ انجیلِ مقدس: یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ، لاہور (پاکستان بائبل سوسائٹی)، 2005ء
☆ کتابِ مقدس (Holy Bible)، لاہور (پاکستان بائبل سوسائٹی)، 2006ء

انگریزی کتب:

☆ Armstrong, Karen, *A History of God*, New York: Ballantine Books, 2002
☆ Asimove, Isaac, *Asimove's Guide to Science*, New York: Basic Books, 1972
☆ Hayder, Sayyed Waqas, *What Quran Says: A Modern Reconstruction*, Lahore, EuroAsia Research Foundation, 2009
☆ Milbrath, Susan, *Star Gods of the Maya*, University of Texas Press, 2000
☆ Rabolu, V.M., *Hercolubus or Red Planet*, Spain: Burgos, 2004
☆ Sitchin, Zecharia, *The 12th Planet*, Harper Press, 1976
☆ Wolfram von Soden, *"Zeitschrift fur Assyriologie"*, No. 47, Frankfort
☆ Dowson, John, *A Classical Dictionary of Hindu Mythology and Religion*, New Delhi, 2004

☆ Fukuyama, Franics,
The End of History and the Last Man,
New York: The Free Press, 1992

☆ Hughes, Thomas Patrick, *Dictionary of Islam being Cyclopedia of Doctrine and Theological Terms of Muhammadan Religion*,
New Delhi: Munshiram Manoharlal Publishers, 1999

☆ Usmani, Mufti Muhammad Taqi,
Maulana Samiulhaq, *Qadianism on Trial*,
(Trans. Muhammad Wali Raazi),
Karachi: Idaratul-Ma'arif, 2006

☆ Makemson, Maude Worcester,
(editor & translator), *The Book of the Jaguar Priest: A Translation of the Book of Chilam Balam of Tizimin with Commentary*,
New York: H Schuman, 1951

☆ Roys, Ralph,
The Book of Chilam Balam of Chuyamel,
Norman: University of Oklahoma Press, 1967

☆ Arguelles, Jose,
The Mayan Factor: Path Beyond Technology,
Shambhala: Bear & Company, 1987

☆ Glasse, Cyril, *The New Encyclopedia of Islam*,
Altamira, 2001

☆ Shaw, Ian. ed.
The Oxford Illustrated History of Ancient Egypt,
Oxford: Oxford University Press, 2000

☆ Strickland, Joshua, *Aliens on Earth*,
Grosset & Dunlap, 1977

☆ Lemesurier, Peter, *The Nostradamus Encyclopedia*,
New York, 1997

☆ Lemesurier, Peter, *The Unknown Nostradamus*,
New York, 2003

رسائل:

- ☆ تحریر: غلام مصطفےٰ سید، اخبارِ جہاں (جنگ گروپ)، 16 نومبر 2009ء
- ☆ تحریر: ابن وصی، روحانی ڈائجسٹ، دسمبر 2009ء

انٹرنیٹ:

- ☆ www.faggo.com
- ☆ www.2012hoax.org
- ☆ www.alignment2012.com
- ☆ www.december212012.com
- ☆ http://science.nasa.gov
- ☆ www.vureel.com/video/2646/Doomsday-2012-The-Web-Bot-Project

ٹی وی چینلز:

- ☆ میزبان: محسن احمد، تحریر: عمران شمشاد، پروگرام "بھید"، ایکسپریس نیوز ٹی وی
- ☆ ریسرچ اینڈ سکرپٹ: حسن جعفری، آج ٹی وی

قرآن و حدیث سے کشید کی گئی ایک تحقیقی کتاب

اینڈ آف ٹائم

قیامت کی نشانیاں اور ظہورِ امام مہدی

مصنف: ہارون یحییٰ (ترکی)

یوں تو آثارِ قیامت اور ظہورِ امام مہدی کے موضوع پر درجنوں کتب لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے مگر جہاں تک زیرِ نظر کتاب کا تعلق ہے تو کئی چیزیں اسے دوسری کتابوں سے ممتاز کر کے انفرادیت بخشتی ہیں جن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مصنف نے نہ صرف قرآن و حدیث سے حوالے پیش کیے ہیں بلکہ عہدِ حاضر کے تناظر میں اپنے نکتۂ نظر کو بھی مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ مختلف نکات کا سائنسی انداز میں تجزیہ کر کے غور و فکر کے نئے زاویے دریافت کیے ہیں۔

قیامت کی مختلف علامات بیان کرنے کے بعد مصنف نے گرد و پیش کی عام فہم مثالوں سے وضاحت کی ہے جس سے بات گویا سیدھی قاری کے دِل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔

قیامت سے پہلے کون سے واقعات ظہور پذیر ہوں گے؟

ان کی علامات کیا ہیں؟

قیامت سے قبل کے اس نتیجہ خیز اور انقلابی دَور میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

یہ ساری باتیں بڑے آسان پیرائے اور انتہائی سادہ الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔ آنے والے ''سنہری دور'' یعنی زرّیں عہد کو مسلمانوں کیلئے ایک بشارت قرار دیا گیا ہے جس سے اہل ایمان کو اپنے قلب و رُوح میں ایک خوشگوار احساس کا تجربہ ہوتا ہے۔ عہدِ حاضر کے حوالے سے مصنف نے مسلمانوں کے حالات کو ایک آزمائش قرار دیتے ہوئے انہیں صبر و تحمل، اثباتِ قدم، جہدِ مسلسل اور عمل پیہم کا پیغام دیا ہے۔

قیامت کی ایک ایک نشانی بیان کی ہے اور ساتھ ہی واضح الفاظ میں سمجھا دیا ہے کہ جب یہ وقت ہوگا تو حفظ الایمان اور پختگی کردار کے سلسلے میں ہمیں کیا کرنا ہوگا۔

قیامت کی نشانیاں تفصیل سے بیان کرنے کے بعد قیامت کی ہولنا کی کا بیان ہے جس کا مقصد اِنسان کو صرف اس ہولنا کی سے آگاہ کرنا ہی نہیں بلکہ یہ پیغام دینا بھی ہے کہ وہ اس تباہی سے خود کو کیسے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

اس بناء پر مصنف کی یہ کاوش ایک ایسی صدائے جرس بن جاتی ہے جو اہل کاروان کو خوابِ غفلت سے جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگا دیتی ہے۔ سورۃ الکہف کی آیات مومن کو رضائے الٰہی کے حصول کیلئے مہمیز کرتی ہیں۔ اس کے دماغ کے دریچے کھولتی ہیں۔ نئی سوچ اور نئے آہنگ سے روشناس کراتی ہیں۔ اسرارِ الٰہی کا ادراک دلاتی ہیں۔ مادیت پرستی کے اس دَور میں اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہیں۔ دِل کے زنگار کو صاف کر کے اسے صیقل کر دیتی ہیں اور اس آئینہ میں انسان کو اپنا عرفان حاصل ہوتا ہے جو اس کی انگلی تھام کر اسے معرفتِ الٰہی کے راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔ مادیت پرستی اور بے ہنگم خواہشات ہَوا ہو جاتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے واقعات سے مسلمانوں کو پیغام دیا گیا ہے کہ ایک بار پھر اسلام کا نظام دُنیا میں جاری ہونے والا ہے اور ہر باطل عقیدہ اور فلسفہ بھولی بسری بات بن کر رہ جائے گا۔ نیز اہل ایمان کو عمدہ انعام اور جزا کی خوشخبری بھی سنائی گئی ہے جس سے ان کو اور بھی تحریک ملتی ہے۔

ایک اور خاصیت جس کا ذکر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے آیات کی وضاحت آیات سے ہی کر دی ہے جو ایک نہایت عمدہ اور مستحسن طریقہ ہے۔ مصنف نے

نیک و بد میں امتیاز کرتے ہوئے شیطانی قوتوں اور ان کے عزائم کو بے نقاب کیا ہے۔ لادینی نظریات کے فریب کو آشکار کیا ہے۔ حقیقتِ دُنیا سے آگاہ کیا ہے اور قیامت کے دِن کیلئے تیار ہونے کی تاکید کی ہے۔ دُنیا کی موت و حیات اور اس کے ابدی حیات پر روشنی ڈالی ہے۔ علم الاعداد کے حوالے سے بتایا ہے کہ آثارِ قیامت میں سے بہت سے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں، کچھ ہو رہے ہیں اور کچھ عنقریب ہونے والے ہیں اور اللہ کی نشانیاں ایک ایک کر کے ظاہر ہو رہی ہیں اور قیامت کی پیش گوئیاں بھی بڑی سرعت سے پوری ہو رہی ہیں اسلئے اہل ایمان کو اس امر پر پوری توجہ دینی چاہیے اور جو ابھی تک دائرہ ایمان میں داخل نہیں ہوئے انہیں بھی غور کرنا چاہیے اور دولتِ ایمان سے فیضیاب ہونا چاہیے۔

مصنف نے کتاب میں ٹھوس دلائل اور مکمل حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ آیاتِ قرآنی سے جہاں فہم و ادراک کا ایک نیا جہاں آشکار ہوتا ہے وہیں یہ آیات قاری کے دل میں با قاعدہ اور باترجمہ قرآن پاک کی تلاوت کی تحریک پیدا کرتی ہیں۔

آخر میں مصنف نے ڈارون کے فلسفہ اِرتقا کے تارو پود بکھیر کر اس کے کھوکھلے پن کو واضح کیا ہے اور ارتقاء پسندوں کے بیانات کو ہی اس نظریہ کی تردید میں استعمال کیا ہے نیز جدید سائنسی ٹیکنالوجی سے مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ سائنس تو ایک خلیہ تخلیق کرنے کے قابل نہیں ہے چہ جائیکہ چند بے جان ایٹم ایک کامل انسان یا جاندار کے قالب میں ڈھل جائیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے کان اور آنکھ کی ساخت پر روشنی ڈالتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ جدید ترین ٹیکنالوجی ان کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ بیش بہا نعمتیں ہیں جن کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

سورۃ الکہف قرآن پاک کی ایک نہایت اہم سورۃ ہے اور اس میں قدرت کے کئی اسرار، دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں۔ آثارِ قیامت کے حوالے سے جناب ہارون یحیٰ کی یہ تصنیف قابل تعریف اور ایک عمدہ کاوش ہے۔ اس کتاب کا پہلا مقصد لوگوں کو مطالعۂ قرآن کی رغبت دلانا اور پھر مطالبِ آیات کی طرف مائل کرنا ہے۔ قرآنِ پاک دُنیا میں علم و حکمت کا خزینہ اور اللہ کی آخری الہامی کتاب ہے جو دُنیا بھر کے انسانوں کو درپیش مسائل کا مکمل حل پیش کرتی ہے۔

ہر کام کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام ممکن نہیں مگر تقدیر کو سمجھنے کیلئے اور اس اختیار کو جاننے کیلئے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے ہمیں چند مثالوں پر غور کرنا ہوگا:

☆ ہر پرندہ صبح بھوکا گھونسلے سے نکلتا ہے اور پیٹ بھر کر واپس لوٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے مگر رزق اس کے گھونسلے میں نہیں ڈالتا۔ اِسی طرح انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کیلئے وہ کوشش کرتا ہے اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور کہے کہ اگر مقدر میں ہوگا تو مل جائے گا تو یہ کوئی مثبت طرزِ عمل نہیں کہلائے گا۔

☆ تقدیر کے مفہوم کی ادھوری تشریح سے کوئی چور، چور نہیں کہلائے گا۔ قاتل اپنے جرم کیلئے موجبِ سزا نہیں ہوگا کیونکہ اس کے نزدیک قتل کرنا اس کی تقدیر میں تھا اور قتل ہونا مقتول کا مقدر تھا۔ اس طرح کوئی مجرم مجرم نہیں رہے گا اور ایمان والوں اور کافروں میں (نعوذ باللہ) امتیاز ہی ختم ہو جائے گا اور یہ ساری ذمہ داری تقدیر پر ڈال دی جائے گی کہ جن کے مقدر میں ایمان تھا وہ صاحبِ ایمان بن گئے اور جن کی تقدیر میں کفر کی سیاہی لکھی تھی وہ ان کا مقدر ٹھہری۔

☆ اس طرح تقدیر گویا ایک فلم ہوگئی جسے ایک شخص نے تیار کر کے دوسرے کو دے دی، اس نے دیکھ لی اور پھر تیسرے کو دے کر کہا کہ اب اس واقعہ کے بعد یہ ہو گا اور پھر یہ ہوگا۔ دیکھنے والے واقعات کی تصدیق ہونے پر حیران ہوتے ہیں، لیکن اگر ایک فلم بن گئی تو اس کا ذمہ دار پروڈیوسر ہے۔ فلم اپنے آپ میں ردّ و بدل نہیں کر سکتی۔ تقدیر کی اس ادھوری تشریح سے بسا اوقات گناہ کا جواز بھی پیدا ہوتا ہے۔ نیز یہ طرزِ عمل کہ 'کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے جو ہونا ہوگا ہو کر رہے گا'، جیسا بے عملی کا روّیہ پیدا کر سکتا ہے۔

☆ اگر ہر واقعہ کو تقدیر سمجھ لیا جائے اور ہر واقعہ نوشتۂ تقدیر ہی ہو تو پھر موسیٰ و فرعون کے معاملہ میں امتیاز کرنا دشوار ہو جائے گا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو فرض تھا وہ انہوں نے ادا کیا اور جو فرعون کے ذمہ تھا اس نے پورا کیا۔ مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، اگر ایسا ہی ہوتا تو خودکشی کو حرام قرار نہ دیا جاتا، ایک آدمی کے قتل

کو پوری انسانیت کا قتل قرار نہ دیا جاتا۔

☆ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو راستوں میں سے کسی ایک راستے کو چننے کا اختیار نہ دیا ہوتا تو پھر جزا و سزا کا تصور ہی ختم ہو کر رہ جاتا۔

تقدیر کو سمجھنے کیلئے چند باتیں ذہن میں رکھیں:

☆ اتفاقاً پھسل کر کنویں میں گر جانا تقدیر ہے اور خود بے احتیاطی سے کنوئیں میں چھلانگ لگانا اس کے برعکس ہے۔

☆ آگ سے حادثاتی طور پر جل جانا تقدیر ہے اور آگ میں کُود جانا اِنسان کا ذاتی فعل ہے۔

اگر کسی کو ڈرائیونگ سکھانے کے بعد گاڑی دے کر ایک ایسے لمبے سفر پر بھیج دیا جائے جس کی منزل پر اس کے واحد سفر اور زندگانی کا انجام ہو جائے۔ اسے راستے کے نشیب و فراز سے آگاہ کر دیا جائے اور نقشہ سمجھا دیا جائے۔

جب ڈرائیور کو بتا دیا جاتا ہے کہ اسے اتنا طویل سفر کرنا ہے، اُسے بتا دیا جائے اپنے ساتھ کتنا ایندھن رکھنا ہے، مزید ایندھن کہاں کہاں دستیاب ہو سکتا ہے، گاڑی خراب ہونے کی صورت میں کہاں کہاں ورکشاپ اور مستری ملیں گے۔ پنکچر ہونے کی صورت میں اضافی ٹائر ساتھ رکھنا ہوگا۔ سڑک پر چلنے کے قوانین کی پابندی کرنا ہوگی۔ کسی بھی صورت میں سڑک سے نہیں ہٹنا ہوگا۔ فلاں مقام سے ذیلی راستہ نکلتا ہے جو سیدھا دلدل میں جاتا ہے اس طرف نہ جانا۔ فلاں مقام پر سڑک شکستہ ہے وہاں تیز رفتاری کا مظاہرہ نہ کرنا۔ فلاں مقام پر ڈاکوؤں کا خطرہ ہے وہاں سے تیزی اور احتیاط سے گزرنا۔ اس کے ساتھ نقشہ دیا جاتا ہے مکمل ہدایت کے ساتھ بھیجا جاتا ہے اب اگر وہ دلدل والے راستے کا رُخ کر لیتا ہے تو یہ تقدیر نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو زندگی عطا کر کے جیون کا سفر شروع کرنے کا حکم دیا تو اسے ایک مکمل ہدایت نامہ دیا اور فرمایا کہ یہ کام کرنا اور یہ نہ کرنا۔ جو کام اختیار کرو گے اس کا ویسا ہی صلہ ملے گا۔ جس منزل کی گاڑی میں سوار ہو جاؤ گے وہیں پہنچو گے ایسا نہ کرنا کہ زبان سے کہو کہ میں مدینہ جا رہا ہوں اور بیٹھ جاؤ یورپ جانے والے جہاز

میں، جس طرح کہ لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں مگر ان کا کردار اس کی نفی کرتا ہے۔ جیسے کوئی سود کا نام منافع رکھ لے۔

پس حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ اللہ نے انسان کے سامنے ہر موڑ پر دو راستے رکھے ہیں ایک بھلائی کی طرف جاتا ہے اور دوسرا برائی کی طرف۔ دونوں کا انجام بالکل واضح ہے اب انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ دونوں میں سے ایک راستہ چن لے۔ وہ دونوں میں سے کون سا راستہ اختیار کرتا ہے یہ اس کے اختیار میں ہے اور جب راستہ چن لیا، قدم آگے بڑھا دیئے تو اب تقدیر کا کھیل شروع ہو گیا اور اگر وہ غلط راستے سے کسی بھی مقام سے کسی بھی وجہ یا سبب سے واپس آ کر سیدھی راہ اختیار کر لے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

☆ دُنیا میں سب سے جامع اور مستند کتاب، اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن حکیم ہے اس کی باقاعدہ تلاوت اپنا معمول بنا لیجئے! اِس میں تمام مسائل کا حل ہے اور اس سے بہتر کتاب دنیا میں موجود نہیں۔ لہٰذا اسے باقاعدگی سے پڑھیں اور جو کچھ پڑھیں اسے سمجھیں اور سمجھنے کیلئے اس کا ترجمہ ضرور پڑھیں۔ جب آپ ترجمہ پڑھیں گے تو بہت سی باتیں از خود آپ کے دِل میں اُترتی چلی جائیں گی۔

☆ جو پانی میں اُترے گا اس کا دامن بھی ضرور گیلا ہوگا۔ بڑی بڑی کمپنیاں اپنی مصنوعات کی 10 سے بیس سال کی گارنٹی دیتی ہیں لیکن اگر کوئی اسی وقت اسے ہتھوڑوں سے توڑ پھوڑ کر رکھ دے تو یہ اس کا ذاتی عمل اور فعل ہے اور چیز کا غلط استعمال ہے۔ دستور اور قاعدے کی خلاف ورزی ہے انسان پیروں سے چلتا ہے ہاتھوں سے نہیں چل سکتا۔ اسی طرح ہر کام کی ترتیب ہوتی ہے اور پہلا قدم دوسرے سے پہلے نہیں ہو سکتا۔

☆ قرآنِ پاک کا اندازِ بیاں انتہائی دلنشیں اور دل میں اُتر جانے والا ہے۔ اس کی ہدایات بہت واضح ہیں اگرچہ بعض لوگوں نے تاویلات سے اسے ''مشکل'' بنانے کی کوشش کی ہے مگر جو سمجھ کر پڑھتے ہیں اور پڑھ کر سمجھتے ہیں انہیں علم

ہو جائے گا کہ اللہ نے اس کتاب کو نہایت آسان فرمایا ہے تا کہ اس کی ہدایات ہر سطح کے انسان کی سمجھ میں آ جائیں۔ قرآن کے بعد دوسری کتاب جو لائقِ مطالعہ ہے وہ ''اسوۂ حسنہ اور احادیثِ مبارکہ'' پر مشتمل ہے۔ اس کی عملی تفسیر اللہ کے نیک اور صالح بندوں کے کردار میں دیکھی جاسکتی ہے جن پر اللہ کا خاص انعام ہے۔

☆ مشرق اور مغرب آپس میں گڈ مڈ نہیں ہو سکتے۔ سیاہ و سفید میں فرق ہے۔ اسی طرح انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کیلئے وہ کوشش کرتا ہے اور اس کیلئے عظیم ہدایت نامہ قرآنِ پاک ہے اور وہ خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن اس سے کیا چاہتا ہے اور اس کا عمل قرآنی احکام کے مطابق ہے یا اس کے برعکس ہے۔

ترجمہ: ''اور ہم نے تو اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں آپ کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو، اور وہ ہی ہمارا رب ہے اور وہ ہی تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور ہم اسی کی عبادت خلوص سے کرتے ہیں۔''

﴿سورۃ البقرہ 2، آیات 138-139﴾

آثارِ قیامت، آخری سنہری دَور، قیامت، روزِ حساب اور جنت و دوزخ کے حوالے سے یہ کتاب اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد کتاب ہے جو ہر سطح کے قاری کے دل کے تاروں کو چھوتی اور اس کے افکار اور نکتہ نظر اور اندازِ سوچ میں واضح تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ آج اسلام میں بہت سی الحاقی باتیں شامل کر لی گئی ہیں مگر اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انسان کے دل میں قرآن کو سمجھنے کی خواہش بے ساختہ انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔

اُمید ہے یہ کتاب آپ کی سوچوں کے نئے دریچے کھولے گی اور قرآنِ حکیم کے باقاعدہ مطالعے کی طرف راغب کرے گی۔ اس خوبصورت ایمان افروز اور چشم کشا پیشکش کیلئے جناب شاہد حمید، گگن شاہد اور امر شاہد خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔

ادارہ بک کارنر پبلشنگ میں حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے بہترین کتابیں شائع کر رہا ہے جس میں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک کی منفرد کتابیں "خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک، دین دلیل کے ساتھ، ڈاکٹر ذاکر نائیک کے فیصلہ کن مناظرے، نماز اور جدید سائنس" شامل ہیں۔ یہ کتابیں ثابت کرتی ہیں کہ جس طرح دیگر مذاہب کے تمام پیروکار اپنے اپنے مذہب کے احکامات بھلا چکے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے چند اِنتہا پسند اگر اپنی اپنی عقل کے مطابق غلط کاموں میں ملوث ہیں تو یہ اسلام کی تعلیمات ہرگز نہیں ہیں......

اسلام تو ہے ہی دینِ فطرت......

اور مکمل طور پر پُر اَمن......

اسلام امن کی تبلیغ کرتا ہے اور دُنیا بھر میں امن اور بھائی چارے کے ساتھ کفر مٹانا چاہتا ہے نہ کہ کافر......

اس کتاب کی مقبولیت کے پیش نظر اس پر ملک بھر کے اخبارات، میگزین اور رسائل نے تبصرے شائع کیے۔ یہاں پر ملک کے دو نامور اخبارات "روزنامہ جنگ" اور "روزنامہ ایکسپریس" کے کئے گئے تبصرے پیش خدمت ہیں۔

"قیامت برحق ہے اور اس کتاب کا موضوع قیامت، آثارِ قیامت، روزِ حساب، جنت و دوزخ کے علاوہ کئی اور پہلوؤں کے بارے میں ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ "اینڈ آف ٹائم" سے مراد آخری دَور ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے یہ قربِ قیامت کا دَور ہے۔ قرآن و حدیث کی رُو سے آخری زمانہ دو اَدوار پر مشتمل ہے۔ پہلے دَور میں لوگ مادی و روحانی مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے، جبکہ دوسرا دَور سنہری دَور ہو گا۔ اس میں بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی فراوانی ہو گی۔ اس کتاب کے لکھنے والے ہارون یحیٰی کا اصل نام عدنان اختر ہے، جو ترکی میں پیدا ہوئے اور اُنہوں نے اب تک جو کتابیں تحریر کی ہیں، ان کی کثیر تعداد ہے جو

دین، اسلام، دینی مسائل اور تبلیغ دین کے موضوعات پر ہیں۔ پیش نظر کتاب میں مصنف کی جن انگریزی کتابوں کی فہرست دی گئی ہے ان کی تعداد دو سو گیارہ تک پہنچی ہے۔ جن میں سے بعض کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ بھی ان کی ایک انگریزی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے۔ دراصل یہ ایک کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کا متن مصنف کی دو انگریزی کتابوں سے تیار کیا گیا ہے جن میں ایک ''اینڈ آف ٹائم، قیامت کی نشانیاں اور ظہورِ امام مہدی'' دوسری کا نام ''قیامت کی نشانیاں، سورۃ الکہف کی روشنی میں'' ہے۔ چونکہ ان دونوں کا موضوع قریب قریب ایک ہی سا ہے، غالباً اسلئے مترجم نے دونوں کا ترجمہ ایک ساتھ کر دیا ہے۔''

(جنگ سنڈے میگزین، 6 دِسمبر 2009ء)

''روئے زمین پر آباد کوئی انسان اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا کہ قیامت کب آئے گی۔ تاہم اسلام سمیت تمام بڑے مذاہب یہ خبر ضرور دیتے ہیں کہ یہ جلد یا بدیر آنے والی ہے۔ اس ضمن میں قرآن وحدیث میں بھی قیامت کی نشانیں بتائی گئی ہیں۔ یہ کتاب انہی نشانیوں کے بارے میں ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ محمد کی آیت 18 ملاحظہ فرمائیے: ''سو نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ (منکرین) مگر قیامت کی گھڑی کا کہ وہ آجائے ان پر اچانک، سو یقیناً آچکی ہیں ان کی علامات، پھر کون سا موقع ہوگا ان کے لیے، جب آ ہی جائے گی ان پر وہ گھڑی، نصیحت قبول کرنے کا''۔

احادیث میں آثارِ قیامت زیادہ تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ان سے آشکارا ہوتا ہے کہ قیامت کے زمانے سے قبل دُنیا میں نفاق بڑھ جائے گا، اقوام کے درمیان جنگیں عام ہوں گی، معاشروں میں دُکھ بڑھ جائے گا، اخلاقیات نام کو نہیں ملیں گی، لوگ مذہبی

تعلیم سے منہ موڑ لیں گے اور غربت پھیل جائے گی۔ یہ آثارِ قیامت کا پہلا مرحلہ ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مصائب سے نکال کر اپنا فضل و کرم فرمائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت میں بیان کردہ قیامت کی ان نشانیوں میں سبھی انسانوں کیلئے عبرت انگیز سبق موجود ہیں۔ سب سے بڑا سبق تو یہی ہے کہ دُنیا فانی ہے لہٰذا انسان احکاماتِ خدا تعالیٰ کے مطابق زندگی گزارے، اسی میں اس کی بھلائی ہے۔ یہ خدائی احکامات بھلا دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان آج ہوس، مادہ پرستی اور قتل و غارت کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ سیدھی راہ کے طالب خواتین و حضرات اس کتاب کا مطالعہ کریں، ان کی زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔

کتاب کے ترک مصنف، ہارون یحییٰ دُنیائے اِسلام کے معروف دانشور ہیں۔ انہوں نے سائنس کی بنیاد پر ہی مذہب دُشمن سائنسی نظریات کو رَدّ کرنا اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا ہے۔ یہ کتاب بھی ان کی عمیق تحقیق اور سائنسی علوم پر کامل دسترس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ترجمہ رواں اور شستہ ہے۔ طباعت و پیشکش بھی معیاری ہے۔ یہ کتاب ہر گھریلو لائبریری کی زینت بڑھائے گی۔ کتاب کے ساتھ مفت سی ڈی کا تحفہ ایک بونس کے مترادف ہے۔

(تبصرہ نگار: سیّد عاصم محمود)

(ایکسپریس سنڈے میگزین، یکم مارچ 2009ء)

For Feedback:

E-Mail: showroom@bookcorner.com.pk

E-Mail: amarshahid@gmail.com

Cell: 0321-5440882, 0323-5777931

تعارف

"What Quran Says"

مصنف: سیّد وقاص حیدر

علمی و تحقیقی حوالے سے آج اگر کسی کتاب کو ''ایکسیلینس'' کا ماڈل قرار دیا جائے تو وہ بلاشبہ "What Quran Says" کے علاوہ اور کوئی کتاب نہ ہوگی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خطباتِ لکھنؤ (Reconstruction of Religious Thought in Islam) کے بعد پون صدی میں اسلامی فکر کی تجدید و تعمیر نو پر اگر کوئی بے مثال کام سامنے آیا ہے، تو وہ ''سید وقاص حیدر'' کی مایہ ناز تصنیف What Quran Says ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ بہت بڑے بڑے نام اسلام کی خدمت کسی نہ کسی پہلو سے کر چکے ہیں، جبکہ یہ کتاب نسبتاً غیر معروف مصنف کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ تاہم موضوع کی انفرادیت، ہمہ گیریت، ہمہ جہت مطالعہ، جامعیت اور سائنسی اندازِ تحقیق کی بنا پر What Quran Says اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں لگ بھگ 90 فیصد اسلامی عقائد پر پائی جانے والے اشکالات پر انتہائی مؤثر انداز میں قلم اُٹھایا گیا ہے۔

مذہب کے حوالے سے مختلف اشکالات کی شکار نوجوان نسل کے لیے What Quran Says ایک گرانقدر علمی تحفہ ہے۔ جبکہ فلسفہ، انگلش لٹریچر اور دینیاتی علوم کے طالب علموں کے لیے یہ کتاب ناگزیر مطالعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ طالب علموں کے لیے

اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ کتاب جا بجا دیگر مذہبی زبانوں (عبرانی، یونانی، سنسکرت) سے استدلال کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی طرح تاریخی زمانہ کے علاوہ زمانہ قبل از تاریخ میں تصورِ خدا و تصورِ مذہب کے پروان چڑھنے کو علمِ آثارِ قدیمہ اور علم الانسانیات کی مدد سے زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

What Quran Says بتیس (32) ابواب اور (xiii+229) 242 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا پہلا باب اسلامی تصورِ خدا پر مبنی ہے، جبکہ باقی آنے والے ابواب میں ''اسلامی تصورِ دین، شخصیتِ محمد و ختمِ نبوت، موت و حیات، برزخ و قبر، جنت و جہنم، اسلامی تصورِ سیاست و عمرانیات، نفسیاتِ قرآنی، حدیثِ رسول، کلام اور کلمہ، انجیل و عیسیٰ علیہ السلام، تصورِ وقت'' وغیرہ پر خالصتاً قرآنی مؤقف پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ اِنشاء اللہ نہ صرف تقویتِ ایمانی محسوس کریں گے، بلکہ اس بات کے بھی قائل ہو جائیں گے کہ دین و دنیا باہم متضاد چیزیں نہیں۔

E-mail: WhatQuranSays@gmail.com